تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور - پاکستان

سلسلہ نمبر ۳۴ جنوری ر ۱۹۹۱ء رجب ۱۴۱۱ھ

تدبّر

فہرستِ مضامین

تذکرہ وتبصرہ

نئی حکومت کی ذمہ داریاں ــــــــ خالد مسعود ۳

تدبّرِ قرآن

تفسیر سورہ اعراف (۴) ــــــــ خالد مسعود ۸

تدبّرِ حدیث

بعثت نبوی پر ہرقل کی گفتگو ــــــــ امین احسن اصلاحی/ سعید احمد ۱۴

باغ کی فروخت کا مسئلہ ــــــــ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۲۴

مقالات

امام فراہی کا تصور حکمت ــــــــ خالد مسعود ۳۲

اسلامی حکومت کا ایک کامیاب تجربہ ــــــــ خالد مسعود ۴۰

مجلسِ ترتیب

☆ ——— خالد مسعود (مدیر)

☆ ——— عبداللہ غلام احمد

☆ ——— ماجد خاور

☆ ——— محبوب سبحانی

☆ ——— سعید احمد

ناشر: ——— ادارہ تدبر قرآن و حدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور ۔ ۲۵

مطبع: ——— المطبعۃ العربیۃ ۔ لاہور۔

قیمت = ۵/ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

نئی حکومت کی ذمہ داریاں

اکتوبر ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس نے سیاست سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کو انگشت بدنداں کر رکھا ہے ۔ یہ کامیابی پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ کے وہم و گمان میں تو ہو ہی نہیں سکتی تھی، یہ اتحاد کے بہی خواہوں کے بہترین اندازوں سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر تھی ۔ اگر یہ ملک کے کسی خاص حصہ میں ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ کوئی ہاتھ اپنی پسند کے نتائج حاصل کرنے میں کارفرما رہا ہے ۔ لیکن یہ کامیابی تو ملک کے شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک ہر جگہ حاصل ہوئی ۔ اس میں کوئی ہاتھ کیسے کارفرما ہو سکتا تھا ۔ یہ ایک خدا ساز بات تھی ۔ ایک معجزہ تھا جس کے ظاہر ہونے میں کسی کی منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہیں تھا ۔ اس کی توجیہہ یوں کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا یہ فیصلہ تھا کہ پیپلز پارٹی کی آبروباختہ حکومت سے پاکستان کے عوام کو نجات عطا فرمائے کیونکہ اس حکومت نے ہر اعتبار سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ کسی مہذب معاشرہ کی زمام اقتدار ہاتھ میں لینے کی صلاحیت سے عاری ہے اور ایک نئی لیڈر شپ کو موقع عطا فرمائے تاکہ وہ حسن تدبیر سے کام لے کر ملک و قوم کی بہتری کے لئے کچھ کام کرے ۔

اس عالم اسباب میں ہر کام کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک انتخابی نتائج میں دو عوامل فیصلہ کن ہوئے ۔ ایک عامل تو قومی سطح پر مختلف سیاسی پارٹیوں کے درمیان ایک کم از کم مشترک اساس پر تعاون کا فیصلہ تھا جس نے اس بات کو ممکن بنا دیا کہ پیپلز پارٹی کے امیدوار کا مقابلہ ان میں سے کسی ایک ہی پارٹی کا امیدوار کرے ۔ اس تدبیر سے وہ عوام کو یہ بات سمجھانے میں

کامیاب ہو گئے کہ آزاد یا چھوٹی پارٹیوں کے امیدواروں کو ووٹ دینا ووٹ کو ضائع کرنے کے مترادف ہو گا۔

دوسرا بڑا عامل جس نے عوام کو بہت متاثر کیا وہ پیپلز پارٹی کی امریکہ نواز اور امریکہ کی پیپلز پارٹی نواز پالیسیاں تھیں۔ امریکہ علانیہ طور پر یہودیوں کا آلہ کار ہے اور یہی تاثر پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ نے اپنے بارے میں دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی آبادی کے ایک بڑے طبقہ نے اس کے خلاف اپنی رائے کا برملا اظہار کیا۔ چنانچہ تمام اندازوں کے بر عکس اسلامی جمہوری اتحاد فیصلہ کن اکثریت کے ساتھ مسند اقتدار پر جا براجمان ہوا۔

ایک گروہ کا اقتدار سے الگ ہونا اور دوسرے کا اس کی جگہ لینا بلا وجہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس طرح نئے گروہ کو آزمائش کی اس بھٹی میں ڈال دیتا ہے جس میں پہلا گروہ بھی ڈالا گیا تھا اور اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس عزت افزائی کا اہل نہ تھا۔ نئے گروہ کو ذمہ داری کے منصب پر آ کر یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ زیادہ با صلاحیت، مخلص اور عدل کرنے والا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن ادا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدت کار کو طویل کر دیتا ہے ورنہ اس کو ہٹا کر کسی تیسرے گروہ کو منتخب کر لیتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کو ثابت کرے۔ اتحاد کی حکومت کو اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہئے اور اس بے راہ روی سے اجتناب کرنا چاہئے جو حکمرانوں کو اپنے مستقبل کی طرف سے غافل کر دیتی ہے۔

انتخابات میں جناب نواز شریف ایک قومی لیڈر کے طور پر قومی افق پر نمایاں ہوئے ہیں۔ جو چیز ان کے لئے سرمایہ بنی وہ ان کی دین سے وابستگی، قومی و ملی سوچ اور بہتر صلاحیت کار ہے۔ وہ اگرچہ اسلام کا واجبی سا علم رکھتے ہیں تاہم ان کے معمولات میں نماز اور دیگر عبادات کا اہتمام اور اہل دین کے ساتھ تعلق ایسی خصوصیات ہیں جن کو ملک کی دین سے مس رکھنے والی آبادی تحسین کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ قومی مسائل کے حل میں قوم ان سے کچھ نئی جہتوں پر عمل کی امید رکھتی ہے۔ انہوں نے سندھی لیڈروں کو ساتھ لے کر چلنے کی اہلیت ثابت کر کے سندھ کارڈ کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ ان کی انتخابی جدوجہد سے ظاہر ہوا کہ وہ ایک انتھک کارکن ہیں جن کی استعداد کار سے قوم فائدہ اٹھانے کی امید کر سکتی ہے۔

ان صفات کی بدولت نہ صرف اسلامی جمہوری اتحاد کامیابی سے ہمکنار ہوا بلکہ جناب نواز شریف کے لئے قیادت اور وزارت عظمیٰ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

وزیر اعظم کے سامنے وقتی نوعیت کے مسائل تو ان گنت ہیں لیکن بنیادی مسئلہ اسلام کے نام

پر قائم ہونے والے ملک کو ایک اسلامی ریاست میں ڈھالنا ہے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی حکومت کے سامنے یہ ہدف رہا لیکن قوم اس کو پانے سے محروم رہی۔ لوگ ان کو اس اقدام کا آئینی حق دینے ہی کو تیار نہ ہوئے۔ وہ سیاسی پارٹیوں کے تعاون سے بھی محروم تھے۔ یہاں تک کہ وہ پارٹیاں جو یحییٰ خان جیسے عیاش اور بے فکرے صدر کی ہمنوا اور بہی خواہ رہیں وہ ضیاء صاحب کی حمایت سے منسلک ہو گئیں۔ اس کے باوجود ضیاء صاحب نے اسلامائزیشن کے سلسلہ میں کام کا آغاز کر دیا جو آئندہ کام کے لئے اچھی بنیاد فراہم کر سکتا ہے بشرطیکہ نئی حکومت سنجیدگی سے یہ کام کرنے کا عزم رکھتی ہو۔ مصلحت کوشی اور ایمان ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر صاحب ایمان کے لئے اللہ اور رسول کا فرمایا ہوا دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔ اس پر عمل کرنا کسی درجے میں بھی گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ وقتی مصلحتوں کے تحت اس کو ٹالتے رہنا ایمان کی نفی کرتا ہے۔ حکومت کو اپنے کارندوں کے اندر یہ انداز فکر پیدا کرنا چاہئے۔

وزیر اعظم نے سرکاری افسروں سے خطاب کرتے ہوئے ان کو تیز رفتاری اور میرٹ کے لحاظ کا حکم دیا۔ معلوم نہیں اس کی شکل وزیر اعظم کی نگاہوں میں کیا ہے اور اس حکم کا اطلاق کس طور پر ہو گا۔ اسلامائزیشن کے عمل میں تیز رفتاری ہمارے نزدیک اس طرح یقینی بنائی جا سکتی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل جن قوانین کے بارے میں اپنی حتمی رائے سے حکومت کو آگاہ کر چکی ہے اس کی سفارشات کی روشنی میں قانون سازی اور ضابطہ بندی میں لیت و لعل سے کام نہ لیا جائے۔

کونسل کی رفتار دھیمی ہو تو اس کو مزید افرادی قوت مہیا کر کے فعال بنایا جا سکتا ہے اور سفارشات اسمبلی میں آ جائیں تو ان پر عمل درآمد میں پس و پیش کرنے سے اجتناب کیا جانا چاہئے۔

میرٹ حقیقت کے اعتبار سے وہی چیز ہے جس کو قرآن نے عدل کہا ہے اور جس کو تقویٰ سے قریب ترین صفت قرار دیا ہے۔ قرآن کا مسلمانوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ عدل کریں خواہ وہ ان کے اپنے مفادات کے خلاف ہی پڑے۔ اس لئے ہمارے نزدیک میرٹ کے اطلاق کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ اہل کاروں کے انتخاب کا معاملہ ہو تو اس میں ان کی صلاحیت کو ملحوظ رکھا جائے اور بہترین آدمی کا انتخاب کیا جائے۔ افسر کے سامنے کوئی مسئلہ برائے فیصلہ پیش ہو تو وہ اصل حق دار کو اس کا حق دے اور کسی جانبداری کا مظاہرہ نہ کرے۔ جس معاملہ میں قواعد و ضوابط بنائے گئے ہیں ان سے کسی صورت میں انحراف نہ کیا جائے خواہ ارکان اسمبلی اس کی سفارش کرتے ہوں۔ عدالتوں میں ہر مقدمہ کا فیصلہ حقائق کی روشنی میں کیا جائے۔ یہ تمام شکلیں میرٹ کے لحاظ یا دوسرے الفاظ میں عدل کی ہیں اور انہی کو اختیار کرنے میں خیر و برکت ہے۔ البتہ میرٹ کو افراد کی صوابدید پر چھوڑنا خطرناک

ہے ۔ اس کو قواعد و ضوابط کا پابند بنانے میں خیر ہے تاکہ جانبداری اور اقرباپروری کا قلع قمع ہو سکے ۔

اسلامائزیشن کا عمل درجہ بدرجہ انجام پانے والا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت اس کی دستوری ضرورتیں پوری کئے بغیر اسلامی حکومت کے مقاصد کے لئے کچھ نہیں کر سکتی ۔ جس طرح ایک صاحب ایمان آدمی کے اندر کچھ اخلاقی صفات ایمان کے تقاضے سے خودبخود پیدا ہو جاتی ہیں ۔ مثلاً وہ پاکیزہ سوچ اور کردار کا مالک ہو جاتا ہے ۔ وہ بے ایمانی اور خیانت سے اپنے آپ کو بچاتا ہے ۔ وہ لوگوں کے لئے بافیض ہو جاتا ہے ۔ غریبوں کے لئے درد مند ہوتا ہے ۔ معاملات طے کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے ۔ ٹھیک اسی طرح ایک اسلامی حکومت قانون کے علاوہ اپنے مزاج سے بھی پہچانی جاتی ہے ۔ وہ معاشرے کو پاکیزہ رکھنے کے پروگرام بناتی ہے ۔ وہ نیکی کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتی اور برائی کے تمام سرچشمے بند کرنے کا اہتمام کرتی ہے ۔ وہ قانون کی حکمرانی کو یقینی بناتی اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے ۔ وہ غریبوں کے مسائل کو سمجھنے والی اور ان کے لئے آسانی کی راہیں تلاش کرنے والی ہوتی ہے ۔

حکومت کے روزمرہ کے اقدامات میں اگر ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو اسلامی نہج کی تبدیلی کا لوگوں کو مشاہدہ ہونے لگے گا ۔

اگر جناب نواز شریف کچھ کام کرپائے تو ملک کی تاریخ میں وہ ایک نیک نام حکمران کے طور پر یاد رکھے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو مہلت عمل بھی عطا فرمائے گا ۔ اگر وہ جمود کا شکار ہو گئے یا مصلحت کوشی کی روش اختیار کی تو ان کی مسند اقتدار پر کسی اور بٹھا کر اس کا امتحان لیا جائے گا ۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ آدمی کی نیت نیک ہو تو اسلامی حکومت کے تقاضے پورے کرنا بہت زیادہ مشکل نہیں ہوتا ہے ۔ گزشتہ صدی کے دوران افریقہ میں ایک صاحب عزم شخص نے اس کام کو ممکن بنا دیا ۔ اس کے تجربات اس مضمون سے معلوم کئے جا سکتے ہیں جو اسی شمارہ کے دوسرے صفحات میں دیا گیا ہے ۔

امت مسلمہ عرصۂ محشر میں

کویت پر عراق کی عاقبت نا اندیشانہ فوج کشی کے مضر اثرات ۱۷ جنوری سے شروع ہونے والی باقاعدہ جنگ سے اب ظاہر ہونے لگے ہیں ۔ اس طرح کا کوئی قدم اٹھاتے وقت گہرے غور و فکر ،

معاملہ کے پیش و عقب کے ماہرانہ تجزیہ ، ہم خیالوں کے ساتھ مشورہ و تعاون ، نتائج کی پیش بینی اور عمدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ عراق نے امت مسلمہ کے بداندیشوں کی شہ پر کویت کو ہڑپ کیا لیکن اس بارے میں نہ پیش بینی سے کام لیا نہ کوئی مستحکم پالیسی وضع کی ، نہ دوسرے برادر ممالک کو اعتماد میں لیا اور نہ اقدام کرنے کے بعد کسی کے مشورے پر کان دھرا ۔ دوسری طرف مغربی ممالک کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ۔ یہ معلوم تھا کہ وہ اس صورت حال کو امت مسلمہ پر ایک کاری ضرب لگانے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں ۔ لیکن افسوس کہ عراق نے اس سامنے کی حقیقت کو قابل اعتناء نہ سمجھا ۔

جنگ شروع ہوتے ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ مغربی ممالک صلیبی جنگوں کے سے جذبہ کے ساتھ یہ جنگ لڑ رہے ہیں ۔ وہ اس موقع سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ عراق کی تمام قوت کو اس طرح کچل دیں کہ وہ مدتوں تک سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائے ۔ اس کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہ ہو جس کے بل بوتے پر وہ اسرائیل کے لئے کبھی خطرہ بن سکے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مشرق وسطیٰ کے خوش حال مسلم ممالک کی معاشیات کو بھی اس قدر نقصان پہنچا دیا جائے کہ وہ ہمیشہ کے لئے تابع مہمل ہو کر رہ جائیں ۔ عراق ہو یا کویت اور سعودی عرب ، دونوں جانب خون مسلم کی ارزانی ہے ۔ امت مسلمہ کے وسائل علانیہ تباہ و برباد کئے جا رہے ہیں ۔ مسلمانوں کے بدخواہ ان کو ایسے گہرے زخم لگانے کا منصوبہ لے کر آئے ہیں جو کبھی مندمل نہ ہونے پائیں ۔ یہ صورت حال بے حد خطرناک ہے ۔ اب بھی ضرورت ہے کہ امت کے بہی خواہ اعلیٰ ڈپلومیسی سے کام لے کر عراق کے ساتھ اس طرح کا کوئی معاملہ کریں جس کے نتیجہ میں خلیج کے علاقہ سے دشمن فوج کے اجتماع کو ختم کیا جا سکے ۔

بقیہ : بعثتِ نبوی پر ہرقل کی گفتگو

جاری ہوئے سترہ اٹھارہ برس گزر چکے تھے ۔ اس صورت میں ترجمۃ الباب بالکل غیر موزوں ہو گیا ہے ۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

تفسیر سورۃ اعراف (۴)

اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا۔ ایک دھڑ جس سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ نہ وہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ دکھا سکتا ہے[۹۰] اس کو وہ بنا بیٹھے اور وہ اپنے اوپر بڑے ظلم ڈھانے والے تھے o اور جب ان کو تنبہ ہوا اور انہوں نے دیکھا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے تو بولے[۹۱] کہ اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمارا قصور معاف نہ کیا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے o اور جب موسیٰ رنج اور غصہ سے بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے 'بولے تم نے میرے پیچھے میری بہت بری جانشینی کی۔ کیا تم نے خدا کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کر دی ؟ اور اس نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچنے لگا[۹۲]۔ وہ بولا اے میرے ماں جائے !

---

۹۰ مطلب یہ ہے کہ عوام فریبی کے لئے کی گئی اس صنعت گری کو قبول کرتے وقت بنی اسرائیل نے یہ نہ سوچا کہ معبود سے تو زندگی کی سب سے بڑی یہ ضرورت وابستہ ہے کہ وہ رہنمائی کرتا ہے۔ بچھڑے کی مورتی نہ بات کر سکتی تھی نہ رہنمائی کر سکتی تھی تو اس بے معنی وجود کی عبادت کا کیا تک تھا۔

۹۱ قرینہ دلیل ہے کہ یہ احساس ندامت ان لوگوں کو ہوا جن کے اندر کچھ سوجھ بوجھ تھی۔ عوامی جوش کے بحران میں تو وہ صحیح صورت حال کا اندازہ نہ کر سکے لیکن جب نتیجہ سامنے آیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔

۹۲ یہ حضرت موسیٰ کے غلبہ حال اور جوش حمیت کی تصویر ہے کہ تختیاں تو انہوں نے ایک طرف ڈال دیں اور حضرت ہارون کا سر اور شانہ پکڑ کر ان کو جھنجھوڑنے لگے۔ چونکہ اس فتنہ کو دبانے کی اصل ذمہ داری حضرت ہارون ہی پر تھی اس لئے وہ حضرت موسیٰ کے عتاب کی زد میں آئے۔ واضح رہے کہ قرآن نے فتنہ کے بانی سامری کو بے نقاب کر کے حضرت ہارون کو تورات کی اس تہمت سے بری کیا ہے کہ یہ فتنہ ان کے اہتمام میں پروان چڑھا۔

قوم کے لوگوں نے مجھے دبالیا' قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے تو میرے اوپر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور میرا شمار ظالموں کے ساتھ نہ کر o موسیٰ نے دعا کی 'اے میرے پروردگار' مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر' ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما' تو ارحم الراحمین ہے۔ ۱۴۸تا۱۵۱

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ان کو ان کے رب کی طرف سے غضب لاحق ہو گا اور ذلت ' دنیا کی زندگی میں اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو o پر جنہوں نے برے کام کئے 'پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے تو اس کے بعد تیرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔ o ۱۵۳

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا اس نے تختیاں اٹھائیں اور اس کے نوشتہ[۹۳] میں ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہوں o اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے ہمارے وقت مقرر کے لئے تو جب ان کو زلزلہ نے آپکڑا تو موسیٰ نے کہا اے رب اگر تو چاہتا ان کو ہلاک کر چھوڑتا پہلے ہی اور مجھ کو بھی۔ کیا تو ہمیں ایک ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے اندر کے بے وقوفوں نے کیا[۹۴]۔ یہ تو بس تیری ایک آزمائش تھی۔ تو اس سے جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین بخشنے والا ہے o اور تو ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم نے تو تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا' میں

اپنے عذاب میں تو اسی کو مبتلا کرتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ سو میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے[۹۵] ــــــ جو پیروی کریں گے اس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے' برائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھہراتا ہے اور

---

۹۳ یہاں مراد تورات ہے جو ان تختیوں کی تحریر کی نقل ہے۔

۹۴ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ستر منتخب افراد کو اجتماعی توبہ کے لئے پہاڑ پر لے گئے تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنا جلال ظاہر فرمایا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ یہ جو کچھ ہوا جماعت کے اندر کے نادانوں کی بدبختی سے ہوا اور یہ تیری رحمت سے بعید ہے کہ تو نادانوں کے کسی جرم کی پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے۔

۹۵ یہاں ایمان سے مراد خاص طور پر وہ ایمان ہے جس کا عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ وہ آئندہ آنے والے انبیاء پر ایمان لائیں گے اور جس کا ذکر سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ اور سورہ مائدہ کی آیت ۱۲ میں ہو چکا ہے۔

خبیث چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں ۹۶۔ تو جو اس پر ایمان لائے ' جنہوں نے اس کی عزت کی ' اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۱۵۷۔

کہہ دو اے لوگو ' میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس اللہ کا جس کے لئے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے نبی امی رسول پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ یاب ہو ۱۵۸۔

اور موسیٰ کی قوم ۹۸ میں ایک گروہ ایسی لوگوں کا بھی ہوا جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق انصاف کرتے اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں الگ الگ امتیں بنا دیا ۹۹۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف ' جب اس کی قوم نے پانی طلب کیا ' وحی کی کہ اپنی لٹھیا پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معین کر لیا اور ہم نے ان پر بدلیوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ہماری بخشی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے اور انہوں نے کچھ ہمارا نہیں بگاڑا خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ۱۶۰

اور یاد کرو ' جب ان سے کہا گیا ' اس بستی میں رہو بسو ' اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ پیو اور توبہ استغفار

---

۹۶ نبی امی رسول سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہاں جتنی صفات بیان ہوئی ہیں یہ آپ ہی کی تعریف اور تعارف کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ بنی اسماعیل کتاب و شریعت سے ناآشنا لوگ تھے اس لئے وہ لفظ امی کو آپنے بطور ایک امتیازی لقب کے بلا کسی احساس کمتری کے استعمال کرتے تھے۔ ان کے اندر رسول اللہ کی بعثت کی خبر متعدد صحیفوں میں دی گئی تھی (دیکھیے استثنا ۱۸ ' ۱۵ ' ۱۹ ' ۳۳ ' ۲ ' یسعیاہ ۴۲ ' ۱۔ ۴ ' متی ۲۱ ' ۴۲۔ ۴۴ ' یوحنا ۱۴۔ ۱۷ ' ۳۱) جس کا مصداق آنحضرتؐ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ آپ ہی کی لائی ہوئی شریعت تھی جس نے یہود کو تمام غیر فطری بندھنوں اور پابندیوں سے آزاد کرنے کا اعلان کیا۔ یہاں آنحضرتؐ پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کی ابدی اخروی رحمت کا سزاوار قرار دیا گیا ہے۔

۹۷ یعنی نبی کے دعوائے نبوت اور اس کی دعوت کو کسی وہم کسی خیال اور سیادت کی خواہش پر مبنی نہ سمجھو۔ وہ خود اللہ پر اور اس کی نازل کردہ تعلیم پر ایمان رکھتا ہے اور اسی ایمان کی دعوت تمہیں دے رہا ہے۔

۹۸ اوپر کی دو آیات میں بر سبیل تضمین یہ وضاحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمت کے سزاوار کون لوگ ہیں۔ اب سلسلہ کلام پھر بنی اسرائیل کی سرگزشت سے جڑ گیا ہے جو بیان ہو رہی تھی۔

۹۹ یعنی یہ قبائل خوب پھلے پھولے اور ہم نے ہر قبیلہ کو قوموں اور امتوں کی شکل میں بڑھایا اور پھیلایا اور اسی اعتبار سے ان کو اپنی رحمتوں سے نوازا لیکن انہوں نے ہر نعمت کی ناقدری کی۔ اس ناقدری کی جو

کرتے رہو اور دروازے میں سر فگندہ داخل ہو تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے خوب کاروں کو ہم مزید نوازیں گے تو ان میں سے ان لوگوں نے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے اس کو بدل دیا کہی ہوئی بات سے مختلف بات سے ' تو ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی بوجہ اس کے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ۱۶۲۔

اور ان سے اس بستی کا حال دریافت کرو جو دریا کے کنارے تھی جب کہ وہ سبت کے معاملے میں حدود الٰہی سے تجاوز کرتے تھے ۱۰۰۔ جب سبت کا دن ہوتا تو ان کی مچھلیاں منہ اٹھائے ہوئے ان کے سامنے نمایاں ہوتیں اور جب سبت کا دن نہ ہوتا تو وہ ظاہر نہ ہوتیں۔ اسی طرح ہم ان کو آزماتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور یاد کرو جب کہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جا رہے ہو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں ایک سخت عذاب دینے والا ہے وہ بولے کہ یہ اس لئے کہ یہ تمہارے رب کے سامنے ہماری طرف سے عذر بن سکے اور تاکہ یہ خدا کے غضب سے بچیں ۱۰۱۔ تو جب انہوں نے بھلا دی وہ چیز جس سے ان کو یاد دہانی کی گئی تو ہم نے ان لوگوں کو تو نجات دی برائی سے روکنے والے تھے اور ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے تو جب وہ سرکشی کرکے اس چیز سے باز نہ آئے جس سے روکے گئے تو ہم نے ان سے کہا جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ ۱۶۶۔

مثالیں یہاں دی ہیں وہ سورہ بقرہ میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں۔

۱۰۰ یہود کی شریعت میں سبت یعنی ہفتہ کے دن کام کاج اور سیر و شکار وغیرہ کی ممانعت تھی۔ سمندر کے کنارے آباد یہود کی کسی معروف بستی کے لوگ اس ممانعت پر قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے سبت کے دن مچھلیوں کے شکار کے لئے کچھ حیلے ایجاد کر لئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہود کی آزمائش سخت تر کر دی۔ سبت کے دن ان کو مچھلیاں اس کثرت سے نظر آئیں کہ ان کی حرص اور بڑھ جاتی جب وہ سبت کے امتحان میں ناکام ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی۔

۱۰۱ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت و نصیحت کی ذمہ داری میں کوئی مرحلہ ایسا نہیں آتا جب داعی اور ناصح یہ فرض کر لیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی اور اب نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کے لئے چھوڑ دینا چاہئے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ لوگ بری نہیں ہوں گے جو خود اگرچہ برائی میں مبتلا نہ ہوں لیکن دوسروں کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر زندگی گزاریں۔

۱۰۲ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی عملی تصدیق تاریخ کے صفحات میں مرقوم ہے۔ بنوخد نصر اور ٹیٹس سے لے کر ہٹلر تک ہر دور میں یہود کی ذلت و بربادی کی نہایت لرزہ خیز داستانیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ان کو بیچ میں

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فیصلہ کر دیا کہ وہ روز قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو نہایت برے عذاب چکھاتے رہیں گے۔ بے شک تیرا رب جلد پاداش دینے والا اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے ان کو زمین میں منتشر کر دیا گروہ گروہ کر کے ۱۰۳۔ ان میں کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ اس سے مختلف بھی اور ہم نے ان کو خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزمایا تاکہ وہ رجوع کریں تو ان کے بعد ان کے ایسے جانشین وارث کتاب ہوئے جو اس دنیا کی متاع اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے سب معاف کر دیا جائے گا اور اگر اسی طرح کی کوئی اور متاع ان کو مل جائے تو اسے بھی ہتھیا لیں گے ۱۰۴۔ کیا ان سے دربابِ کتاب یہ میثاق نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ جوڑیں اور انہوں نے جو کچھ اس میں ہے اس کو اچھی طرح پڑھا بھی اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کریں 'تو کیا تم سمجھتے نہیں اور جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامتے اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کریں گے اور یاد کرو جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو معلق کر دیا گویا وہ سائبان ہے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرا ہی چاہتا ہے 'پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تم کو دی ہے ۱۰۵ مضبوطی سی اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم خدا کے غضب سے محفوظ رہو ۱۰۶۔

اور یاد کرو 'جب نکالا تمہارے رب نے نبی آدم سے ---- ان کی پیٹھوں سے ---- ان کی ذریت کو اور

مہلت کے جو وقفے ملے ہیں وہ بھی ہمیشہ کسی تازہ مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ہیں۔

۱۰۳ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ بنی اسرائیل کو گروہ گروہ کر کے دنیا کے مختلف حصوں میں پراگندہ کر دیا گیا۔ یہ پراگندگی ان کی ایک قومی خصوصیت کے طور پر آج بھی معروف ہے۔

۱۰۴ یعنی یہ کتاب الٰہی کے وارث ہونے کے مدعی ہیں لیکن پست ہمتی اور دناعت کا یہ عالم ہے کہ جو لقمہ حرام بھی ملتا نظر آئے اس کو چھوڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور ضمیر میں کوئی خلش پیدا ہوتی ہے تو اس جھوٹی آرزو سے دل کو بہلا لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے صدقے میں ہمیں معاف کر دے گا۔

۱۰۵ یہ اشارہ ہے اس میثاق کی طرف جو یہود سے کتاب الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے لیا گیا تھا۔ اس وقت انہوں نے خدا کے جلال و جبروت کا مشاہدہ بھی کیا تھا لیکن اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر انہوں نے ہر چیز کو بھلا دیا۔

۱۰۶ قوموں کی تاریخ کا حوالہ یہاں ختم ہو گیا ہے۔ اس بیان سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ کائنات کا خالق و مالک دنیا کے احوال و معاملات سے بے تعلق نہیں ہے۔ وہ خلق کی اصلاح کے لئے رسول بھیجتا رہا ہے جو ہمیشہ عزل و نصب کی میزان بن کر آئے ہیں۔ یہی فیصلہ کن مرحلہ اب قریش کے سامنے ہے۔

ان کو گواہ ٹھہرایا یا خود ان کے اوپر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ بولے ہاں تو ہمارا رب ہے۔ ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ مبادا قیامت کو تم عذر کرو کہ ہم تو اس سے بے خبری رہے یا عذر کرو کہ ہماری باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا اور ہم ان کے بعد ان کے خلف ہوئے ۱۰۷ تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں تو ہم کو ہلاک کرے گا۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تاکہ وہ رجوع کریں ۱۷۴۔

اور ان کو اس کی سرگزشت سناؤ ۱۰۸۔ جس کو ہم نے اپنی آیات عنایت کیں تو وہ ان سے نکل بھاگا 'پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا' بالآخر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے و اس کو ان آیات کے ذریعہ سے سربلند کرتے لیکن وہ زمین ہی کی طرف جھکا اور اپنی خواہشوں ہی کا پیرو بنا رہا۔ تو اس کی تمثیل کتے کی ہے ' اگر تم اس کو دھتکارو جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے یا چھوڑ دو جب بھی زبان نکالے رکھتا ہے ۱۰۹۔ تمثیل ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان کی سرگزشت سناؤ تاکہ وہ غور کریں کیا ہی بری تمثیل ہے اس قوم کی جس نے ہمارے آیات کی تکذیب کی اور خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتی رہے جسے اللہ ہدایت بخشے وہ ہدایت پانے والا بنتا ہے اور جنہیں وہ گمراہ کر دے وہی ہیں جو نامراد ہوتے ہیں ۱۷۸۔

---

۱۰۷ یہ عہد فطرت کی اساس پر اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انسان کی فطرت میں اقرار صرف اللہ ہی کی وحدانیت اور ربوبیت کا ہے۔ اتنے پر دنیا کے مشرک و موحد سب متفق ہیں اس لئے جہاں تک توحید کا تعلق ہے یہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے اور توحید اور بدیہیات فطرت کے باب میں قیامت کے دن مواخذہ ہر شخص سے محض اس فطری اقرار کی بنا پر ہو گا اور اس باطنی شہادت سے انحراف کے لئے خارجی اثرات کا عذر خدا کے ہاں مسموع نہ ہو گا۔

۱۰۸ اس کی سرگزشت ' سے مراد یہودی سرگزشت ہے جن کی تمثیل ایک ایسے شخص سے دی گئی ہے جس کو خدا نے اپنی آیتوں سے نوازا لیکن اس نے ان کی قدر نہ کی بلکہ یہ خلعت اس نے اتار پھینکی اور وہ گمراہ ہو گیا۔

۱۰۹ یہود کے برابر پستی کی طرف جھکے رہنے اور خواہشات کے پیچھے چلنے کی تمثیل کتے سے دی ہے جو حرص و دناعت کے باعث ہمیشہ زمین کو سونگھتا ہوا چلتا ہے اور چمکاریے یا دھتکاریے دونوں صورتوں میں اپنی زبان نکالے ہوئے رہتا ہے۔ یہود کی فطرت بھی کتوں کی جبلت کے سانچے میں ڈھل چکی ہے۔

بعثتِ نبوی پر ہرقل کی گفتگو

(صحیح بخاری کی کتاب الوحی کی ایک روایت)

٦۔ حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ان عبد الله بن عباس اخبره ان ابا سفیان بن حرب اخبره ان هرقل ارسل الیه فی رکب من قریش و کانوا تجارا بالشام فی المدة التی کان رسول الله صلی الله علیه وسلم ماد فیها ابا سفیان و کفار قریش فاتوه و هم بایلیاء فدعاهم فی مجلسه و حوله عظماء الروم ثم دعاهم و دعا ترجمانه فقال ایکم اقرب نسبا بهذا الرجل الذی یزعم انه نبی قال ابو سفیان فقلت انا اقربهم نسبا فقال ادنوه منی و قربوا اصحابه فاجعلوهم عند ظهره ثم قال لترجمانه قل لهم انی سائل هذا عن هذا الرجل فان کذبنی فکذبوه فو الله لولا الحیاء من ان یاثروا علی کذبا لکذبت عنه ثم کان اول ما سالنی عنه ان قال کیف نسبه فیکم قلت هو فینا ذو نسب قال فهل قال هذا القول منکم احد قط قبله قلت لا قال فهل کان من اباءه من ملک قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفاءهم قلت بل ضعفاءهم قال ایزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال فهل یرتد احد منهم سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه قلت لا قال فهل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال قلت لا قال فهل یغدر قلت لا و نحن منه فی مدة لا ندری ما هو فاعل فیها قال و لم تمکنی کلمة ادخل فیها شیئا غیر هذه الکلمة قال فهل قاتلتموه قلت نعم قال فکیف کان قتالکم ایاه قلت الحرب بیننا و بینه سجال ینال منا و ننال منه قال ماذا یامرکم قلت یقول اعبدوا الله وحده و لا تشرکوا به شیئا و اترکوا ما یقول اباءکم و یامرنا بالصلوة و الصدق و العفاف و الصلة فقال للترجمان قل له سالتک عن نسبه فذکرت انه فیکم ذو نسب و کذلک الرسل تبعث فی نسب قومها و سالتک هل قال احد منکم هذا القول قبله فذکرت ان لا فقلت لو

کان احد قال هذا القول قبله لقلت رجل یاتسی بقول قیل قبله و سالتک هل کان من اباءه من ملک فذکرت ان لا قلت فلو کان من اباءه من ملک قلت رجل یطلب ملک ابیه و سالتک هل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال فذکرت ان لا فقد اعرف انه لم یکن لیذر الکذب علی الناس و یکذب علی الله و سالتک ایزیدون ام ینقصون فذکرت انهم یزیدون و کذلک امر الایمان حتی یتم و سالتک ایرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه فذکرت ان لا و کذلک الایمان حین تخالط بشاشته القلوب و سالتک هل یغدر فذکرت ان لا و کذلک الرسل لا تغدر و سالتک بما یامرکم فذکرت انه یامرکم ان تعبدوا الله و لا تشرکوا به شیئا و ینهاکم عن عبادة الاوثان و یامرکم بالصلوة و الصدق و العفاف فان کان ما تقول حقا فسیملک موضع قدمی هاتین و قد کنت اعلم انه خارج و لم اکن اظن انه منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیه لتجشمت لقاءه و لو کنت عنده لغسلت عن قدمیه ثم دعا بکتاب رسول الله الذی بعث به مع دحیة الکلبی الی عظیم بصری فدفعه عظیم بصری الی هرقل فقراه فاذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم من محمد عبد الله و رسوله الی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یوتک الله اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسین و یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله و لا نشرک به شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون قال ابو سفیان فلما قال ما قال و فرغ من قراءة الکتاب کثر عنده الصخب فارتفعت الاصوات و اخرجنا فقلت لاصحابی حین اخرجنا لقد امر امر ابن ابی کبشة انه یخافه ملک بنی الاصفر فما زلت موقنا انه سیظهر حتی ادخل الله علی الاسلام۔

٦۔ ترجمہ: عبداللہ بن عتبہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس نے ان کو خبردی کہ ان کو ابو سفیان بن حرب نے بتایا کہ ہرقل نے ان کو قریش کے قافلے کے کچھ سواروں سمیت بلا بھیجا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ شام کے ملک میں تجارت کے لئے اس زمانے میں گئے تھے جب آنحضرتؐ اور کفار قریش و ابوسفیان کے درمیان صلح حدیبیہ کی مدت تھی۔ یہ لوگ ایلیا میں ہرقل کے پاس گئے تو ہرقل نے ان کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اس کے اردگرد روم کے بڑے لوگ موجود تھے۔ پھر وہ ترجمان کو بلا کر ان سے مخاطب ہوا۔ پوچھا کہ تم میں سے کون نسب میں اس شخص کے سب سے زیادہ قریب ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نسب میں اس سے قریب ترین ہوں۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے قریب لاؤ۔ اور اس کے ساتھیوں کو بھی، جن کو ابوسفیان کے عقب میں رکھو۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں کو بتاؤ کہ میں اس سے اس نبی کے متعلق سوالات کرنے والا ہوں۔ اگر اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تو

تم اس کی تردید کرنا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ شرمندگی نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے تو میں کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور ملا دیتا۔ ہرقل نے پہلا سوال مجھ سے نبیؐ کے متعلق یہ کیا کہ اس کا تم میں نسب کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ ہم میں بہت عالی نسب ہے۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم میں سے کسی نے پہلے بھی اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے آباؤاجداد میں کوئی بادشاہ رہا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی پیروی اشراف کر رہے ہیں یا غریب لوگ؟ میں نے کہا غریب لوگ۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ میں نے کہا کم نہیں ہو رہے بلکہ بڑھ رہے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا کوئی آدمی اس کے مذہب میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر پھر جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تم نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ لیکن اب ہم نے اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہرائی ہے۔ یہ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے۔ پوری گفتگو میں میرے لئے اس ایک بات کے سوا اور کوئی بات داخل کرنا ممکن نہیں ہوا۔ اس نے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر کہنے لگا کہ تمہاری لڑائی کیسی رہی؟ میں نے کہا کہ کبھی اس کا پلڑا بھاری رہا کبھی ہمارا۔ پھر کہنے لگا کہ وہ تم کو کیا کرنے کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور باپ دادا کی روش چھوڑ دو۔ وہ ہم کو نماز پڑھنے' سچ بولنے' حرام کاری سے بچنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ وہ مجھ سے کہے کہ میں نے تم سے اس کے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں بہت عالی نسب ہے۔ سو اسی طرح کے عالی نسب ہی کسی قوم میں رسول مبعوث کئے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا اسی طرح کا دعویٰ تم میں سے کسی اور نے بھی کیا؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر کسی نے ایسی بات اس سے پہلے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص بھی پہلے والے کی بات کی نقل کر رہا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ کیا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ رہا۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ اپنے آباؤاجداد کی حکومت کا طالب ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم نے پہلے بھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی۔ تم نے کہا نہیں تو معلوم ہوا کہ جو شخص لوگوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب تم نے کہا کہ غریب لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کے پیروکار بھی اکثر غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم نے پوچھا کہ کیا اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ پورا نہ ہو جائے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا جان کر اس سے پھر جاتا ہے۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ تو ایمان کی لذت کا یہی حال ہوتا ہے جب وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے تم نے کہا کہ نہیں تو پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ عہد نہیں توڑتے۔ میں نے پوچھا کہ وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتا ہے۔ تم نے کہا کہ وہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور وہ بت پرستی سے منع کرتا ہے اور نماز پڑھنے' سچ بولنے اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر تم یہ باتیں سچ کہہ رہے ہو تو یقین کرو عنقریب وہ اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں پر میرے دونوں قدم ہیں۔ میں یہ جانتا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں اس تک پہنچ پاؤں گا تو اس سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگوایا جو آپؐ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا۔ بصریٰ کے گورنر نے وہ ہرقل کو بھیج دیا تھا۔ اس نے پڑھا تو وہ یوں تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے ہرقل سردار روم کی طرف 'اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی' امابعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامتی پاؤ گے۔ تم کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا۔ اور اگر روگردانی کرو گے تو تم پر تمہارے ساتھ تمہاری رعایا کا گناہ بھی ہو گا۔ اس کے بعد سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ لکھی تھی۔ "کہ اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔"

ابوسفیان کہتے ہیں جب ہرقل نے کہہ لیا جو کہنا چاہتا تھا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے پاس بہت شور مچ گیا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ اب اس سے بنی اصفر کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا ہے۔ اس روز سے مجھے یہ یقین ہو چلا کہ آپ غالب آئیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام داخل کر دیا۔

وضاحت:۔ یہ ایک طویل روایت ہے جس کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے یہاں تک اس کا پہلا حصہ ہے جبکہ دوسرا حصہ وضاحت کے بعد آئے گا۔ روایت کے اس پہلے حصے میں چند الفاظ وضاحت طلب ہیں۔

ہرقل روم کے بادشاہ کا نام ہے۔ قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ روایت میں بیان کردہ واقعہ کے وقت ہرقل شام کے شہر ایلیا میں مقیم تھا۔ ایلیا کے معنی اللہ کے گھر کے ہیں۔ لیکن اس سے مراد بیت المقدس

نہیں بلکہ اس سے قریب ہی کا ایک شہر ہے۔

ہرقل کے سوال کے جواب میں ابوسفیان نے آنحضرتؐ کے نسب کے متعلق "ذونسب" کا لفظ استعمال کیا۔ اس میں نسب کا نکرہ ہونا تفخیم شان کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ بہت عالی نسب ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابوسفیان خود بھی آنحضرتؐ کے نسب سے ہی تھے۔

روایت کے آخر میں ابوسفیان کا ابن ابی کبشہ سے اشارہ آنحضرتؐ کی طرف ہے۔ جب کسی کی تحقیر کرنی ہو لیکن اس کی شان مجبور کر رہی ہو کہ کوئی غلط بات نہ کہی جائے تو اس کی نسبت کسی گمنام شخص کی طرف کر دیتے ہیں۔ ابو کبشہ سے مراد ایک گمنام شخصیت ہے۔

بنی اصفر رومیوں کے لئے ایک تعبیر ہے۔

یہ روایت حدیث نہیں کیونکہ یہ نہ تو قول رسولؐ ہے نہ عمل رسولؐ اور نہ ہی تقریر رسولؐ۔ لیکن تاریخی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید اور مسلمانوں کا اجتماعی دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت تمام قدیم صحیفوں کی پیشگوئیوں کے مصداق کی حیثیت سے آئے اسی لئے آپ کو "مصدق لمابین یدیہ" کہا گیا ہے۔ یعنی آپ مصداق ہیں ان تمام پیشگوئیوں کے جو آپ کے متعلق قدیم صحیفوں میں موجود ہیں۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہرقل جیسا بادشاہ علامات سے آپؐ کی رسالت کا قائل ہو گیا۔ وہ پہلے سے ایک رسول کی بعثت کا منتظر تھا۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بعثت کسی دوسری قوم میں ہونے والی ہے۔ البتہ اس کا اشتیاق اس بات سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اگر اس کے پاس پہنچ سکا تو میں اس کے پاؤں دھوؤں گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حال نجاشی کا تھا۔ تو یہ دو بادشاہ قرآن کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے گھر کی اگر کوئی شہادت ہو سکتی تھی تو یہ ہرقل کی شہادت ہو سکتی تھی یا نجاشی کے ایمان کی شہادت یا پھر ان لوگوں کی شہادت جو یہود و نصاریٰ میں سے مسلمان ہو گئے۔ دوسرے لوگ جو مسلمان ہوئے ان کے متعلق تو مخالفین کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لیکن ہرقل یا نجاشی کے متعلق وہ یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تو بڑے عالی مقام بادشاہ تھے۔

پس میرے نزدیک اس روایت میں بیان کردہ ہرقل کی شہادت یہود و نصاریٰ پر بڑی حجت ہے۔ لہذا قرآن کے طالب علموں کے لئے یہ نہایت مفید روایت ہے۔ یہ روایت اس لحاظ سے بھی نہایت شاندار ہے کہ نبوت کے معاملے میں جو عقلی پہلو غور کرنے کے ہیں وہ اس میں نہایت عمدہ طریقے سے بیان ہو گئے ہیں۔ اس روایت کا اس عمدہ ترتیب کے ساتھ 'اس حسن بیان اور خوبی الفاظ کے ساتھ بیان ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ایک غور کرنے والا شخص اس کے اسرار و رموز کو سمجھنا چاہے تو اس پر منصب نبوت کے متعلق بہت

سے مسائل منکشف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ رسول نہایت عالی نسب ہوتا ہے۔ رسالت موروثی نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اپنے باپ دادا کی وراثت کے طور پر اس کا دعویٰ کرے۔ رسول نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔ نہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی عہد شکنی کرتا ہے اور وہ اللہ واحد کی عبادت اور شرک سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔ نماز' زکوٰۃ' سچائی' اعلیٰ اخلاق اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔ نبوت کے یہ خواص اس روایت میں عمدہ طریقے سے آگئے ہیں۔

ہرقل کی یہ بات کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں کہتا وہ اللہ پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے نبوت کی لاجواب دلیل ہے۔ ایسی ہی وزنی دلیل یہ بھی ہے کہ متکبرین رسولوں کی پیروی نہیں کرتے' ان کے پیرو اہل کی اکثریت غرباء پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور یہ پیشگوئی کہ بیت المقدس اس نبی کے قبضہ میں چلا جائے گا تو ایسی مبنی بر حقیقت تھی کہ وہ بالکل درست ثابت ہوئی۔ بخاری کی یہ روایت حدیث نہ ہونے کے باوجود تاریخی اعتبار سے نہایت قیمتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک خاص باب روشنی میں آتا ہے۔

اس روایت کے راوی ابوسفیان بن حرب بنوامیہ کے لیڈر ہیں۔ بنوامیہ نے بڑے بڑے آدمی پیدا کئے۔ یہ بڑے جیوٹ کے لوگ تھے۔ روایت کے واقعہ کے وقت ابوسفیان کو اگرچہ آنحضرتؐ سے کد تھی لیکن ان کو یہ بات اپنی سرداری کی شان کے خلاف معلوم ہوئی کہ وہ آنحضرتؐ کے خلاف کوئی جھوٹی شہادت دیں۔ یہ عربوں کے کردار کا نہایت شاندار پہلو ہے۔ ہمارے لیڈروں کے لئے یہ بات باعث عبرت ہونی چاہئے کہ کفر کے باوجود ایک عرب لیڈر اپنے مرتبہ و مقام کو سمجھتا اور برملا کہتا ہے کہ مخالفت اپنی جگہ لیکن میں جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ابوسفیان کا واضح طور پر یہ اقرار بھی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ مجھے صرف ایک ہی موقع ملا جہاں میں اپنی بات ملا سکا تاکہ ہرقل کو بدظن کروں۔ وہ بات صلح حدیبیہ کے متعلق تھی کہ اس صلح کی مدت میں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص کچھ حرکت کر جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد بیان کیا جب اس کمزور بات پر پردہ ڈالنا ہی مفید ہوتا۔

اس روایت کی روشنی میں ہرقل ایک بہت مدبر بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ ابوسفیان خود بہت مدبر آدمی تھے لیکن انہوں نے بھی یہ کہا کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے کسی غیر مختون کو اس سے زیادہ مدبر نہیں دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح ہرقل نے ابوسفیان کو سوالات سے گھیرا ہے یہ ایک غیر معمولی ذہن کا آدمی ہی کر سکتا تھا۔ اس کے تمام سوالات بہت حکیمانہ بلکہ الہامی معلوم ہوتے ہیں۔ اصل میں نصاریٰ کا ایک پاکیزہ گروہ صحیح نصرانیت پر قائم تھا۔ یہ گروہ آخری رسول کے متعلق تمام پیشگوئیوں کو جانتا اور ان کی بعثت کا منتظر تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کا تعلق انہی لوگوں سے تھا۔ اپنے اس علم کی روشنی میں اس نے سوال کئے اور پھر ابوسفیان

کے جوابات کا تجزیہ کیا۔ یہ تجزیہ بھی بہت شاندار اور اس کے مدبر ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہرقل کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ اقتدار کی زنجیریں بہت سخت ہوتی ہیں۔ ملک و مال اور بادشاہی کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔

ہرقل کے برملا اظہار رائے' رسول اللہ سے اشتیاق ملاقات اور مکتوب نبوی کے مندرجات سن کر دربار میں شور ہوا اور لوگ بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اس ناگوار صورت حالات میں ابوسفیان اور ان کے ساتھوں کو باہر بھیج دیا گیا۔ اس لئے ان کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یہ شور کیوں ہوا اور ہرقل کے جذبات پر درباریوں کا رد عمل کیا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی اکثریت پال کے پیروؤں کی تھی جو اصلی نصاریٰ نہ تھے۔ ملک کے سربراہ کے ان خیالات کو انہوں نے اپنے عقیدہ کے لئے خطرہ محسوس کیا اور دربار میں اس کی تردید کے لئے آوازیں بلند کیں۔ ہرقل نے فوراً عربوں کو رخصت کر دیا تاکہ غیروں میں اس کا فضیحتانہ ہو۔ درباریوں کی اس علانیہ مخالفت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ہرقل کیوں ایمان نہیں لا سکا۔

وکان ابن الناطور صاحب ایلیاء و ہرقل سقفا علی نصاری الشام یحدث ان ہرقل حین قدم ایلیا اصبح یوما خبیث النفس فقال بعض بطارقتہ قد استنکرنا ہیئتک قال ابن الناطور و کان ہرقل حزاء ینظر فی النجوم فقال لہم حین سالوہ انی رایت اللیلۃ حین نظرت فی النجوم ملک الختان قد ظہر فمن یختتن من ہذہ الامۃ قالوا لیس یختتن الا الیہود فلا یہمنک شانہم واکتب الی مدائن ملکک فیقتلوا من فیہم من الیہود فبینما ہم علی امرہم اتی ہرقل برجل ارسل بہ ملک غسان یخبر عن خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما استخبرہ ہرقل قال اذہبوا فانظروا امختتن ہو ام لا فنظروا الیہ فحدثوہ انہ مختتن و سالہ عن العرب فقال ہم یختتنون فقال ہرقل ہذا ملک ہذہ الامۃ قد ظہر ثم کتب ہرقل الی صاحب لہ برومیۃ و کان نظیرہ فی العلم و سار ہرقل الی حمص فلم یرم حمص حتی اتاہ کتاب من صاحبہ یوافق رای ہرقل علی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ نبی فاذن ہرقل لعظماء الروم فی دسکرۃ لہ بحمص ثم امر بابوابہا فغلقت ثم اطلع فقال یا معشر الروم ہل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتبایعوا ہذا النبی فحاصوا حیصۃ حمر الوحش الی الابواب فوجدوہا قد غلقت فلما رای ہرقل نفرتہم وایس من الایمان قال ردوہم علی قال انی قلت مقالتی انفا اختبر بہا شدتکم علی دینکم فقد رایت فسجدوا لہ ورضوا عنہ فکان ذلک اخر شان ہرقل قال ابو عبداللہ رواہ صالح بن کیسان و یونس و معمر عن الزہری۔

ترجمہ:۔ اور ابن ناطور' جو ایلیا کا حاکم' ہرقل کا دوست اور نصاریٰ شام کے اوپر لاٹ پادری کی حیثیت سے مامور تھا بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا آیا تو ایک دن اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اس کے بعض پادریوں نے پوچھا کیا بات ہے آج آپ کی حالت کچھ غیر سی معلوم ہو رہی ہے۔ ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل کاہن اور نجومی تھا۔ پادریوں کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ رات میں نے ستاروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختونوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس نے پوچھا ہماری قوم میں سے کون ختنے کراتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں تو کوئی ختنے نہیں کراتا البتہ یہودی کراتے ہیں۔ جناب کو ان کی کوئی پروا نہیں ہونی چاہئے۔ آپ اپنی مملکت کے تمام حاکموں کو لکھ دیں کہ ان کے ہاں جو یہودی رہتے ہیں ان کو قتل کر دیں۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی آیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی خبر دی۔ جب ہرقل نے آنے والے آدمی سے حالات معلوم کئے تو حکم دیا کہ جاؤ دیکھو کہ آیا وہ مختون ہے کہ نہیں۔ چنانچہ لوگ گئے' اس کی تحقیق کی اور بتایا کہ مختون ہے۔ پھر اس سے عربوں کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ عرب ختنہ کراتے ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ ہاں یہی وہ بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں یہ قوم آئے گی۔ وہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر ہرقل نے روم میں اپنے ایک نائب کو جو علم نجوم اور کہانت میں اس کا جوڑ تھا یہ واقعہ لکھا اور خود حمص کو روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اس کے پاس اپنے رومی ساتھی کی طرف سے خط پہنچا۔ اس کی رائے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کے نبی ہونے کے بارے میں ہرقل کی رائے کے موافق تھی۔ ہرقل نے حکم دیا کہ حمص میں تمام اکابر روم کو اس کے محل میں جمع کیا جائے۔ پھر اس محل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

ہرقل سامنے آیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا' اے رومیو! اگر ہدایت اور فلاح چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت قائم رہے تو اس نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو' اس پر لوگ وحشت سے گورخروں کی طرح محل کے دروازوں کی طرف بھاگے اور دیکھا کہ دروازے بند ہیں۔ ہرقل کو جب ان کی نفرت کا اندازہ ہو گیا اور وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ لوگوں کو واپس لاؤ اور کہا کہ وہ بات جو میں نے آپ لوگوں سے کہی تھی وہ تمہاری پختگی و ایمان کا اندازہ کرنے کو کہی تھی۔ سو وہ میں نے دیکھ لی۔ تب سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے ــــــ یہ تھا ہرقل کا آخری موقف۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ روایت صالح بن کیسان یونس اور معمر نے زہری سے کی ہے۔

وضاحت:۔ روایت کا یہ حصہ حرف عطف سے شروع ہوتا ہے جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حصہ بھی اسی بیان کا جزو ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے ابوسفیانؓ سے نقل کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ اصل میں یہاں سے واقعہ کی ایک نئی تفسیر شروع ہوتی ہے جس کو ابوسفیان کے واقعے سے کوئی تعلق نہیں اور اس کی تفصیلات بھی انوکھی اور عجیب سی ہیں جس سے صورت واقعہ غیر فطری سی ہو گئی ہے۔ اصولاً اس افسانے کو

الگ ظاہر کرنا چاہئے تھا۔ واؤ کے ساتھ عطف کرنے سے خواہ مخواہ روایت میں گھپلا پیدا ہو گیا ہے۔ اس اضافہ کی نوعیت آخری جملہ سے واضح ہوتی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی روایت صالح بن کیسان 'یونس اور معمر نے زہری سے کی ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں روایت کا یہ حصہ زہری کا ادراج ہی کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ روایت کے پہلے حصہ میں ان کو اس اضافہ کا موقع نہیں مل سکا۔ اس لئے انہوں نے اپنی حاشیہ آرائی آخر میں کر دی ہے۔ لیکن ہے یہ ان کا ذاتی ادراج 'یہ اصل روایت کا حصہ نہیں ہے۔

روایت کے اس حصہ میں زہری یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہرقل نے ابوسفیانؓ کے سامنے جو کچھ کہا تھا وہ اس بنا پر نہیں کہا تھا کہ تورات اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں موجود تھیں بلکہ اس نے یہ باتیں اپنے کاہن یا نجومی ہونے کی بنا پر کہی تھیں۔ اس نے اپنے نجوم کے ذریعے سے دیکھ لیا تھا کہ مختونوں کا ایک بادشاہ پیدا ہونے والا ہے۔ جب اس نے تحقیق کی تو معلوم ہو گیا کہ مختونوں کا بادشاہ تو پیدا ہو چکا ہے لہٰذا ہرقل نے اسی بنا پر آنحضرتؐ کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ غور کیجئے کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفوں کی پیشگوئیوں کے مصداق ہونے کی بات اور کہاں یہ کہانت کی بڑ۔ اس روایت کے ذریعے باطنیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے زہری نے یہ چاہا ہے کہ پہلے حصہ کی نہایت روشن روایت پر سیاہی پھیر دی جائے اور اس بات کو ایک غلط خیال ثابت کر دیا جائے کہ آسمانی صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی پیشگوئی موجود ہے۔ کیونکہ یہودی بھی ایسی پیشگوئیوں کا انکار کرتے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ ان قوموں نے اپنے صحیفوں میں پائی جانے والی پیشگوئیوں کا الگ الگ محل فرض کر لیا ہے جس کی تائید کرنے کے لئے زہری نے ابن ناطور کا یہ واقعہ بیان کر دیا ورنہ اس کا یہاں کوئی تک نہ تھا۔

بعض حضرات اس اضافے کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ روایت یہ دکھانے کے لئے نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ کی شہادت صرف آسمانی صحیفوں میں ہی نہیں بلکہ مشرکوں کے نجوم اور کہانت میں بھی موجود ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ قرآن نے تو علم نجوم اور کہانت کو شیطانی علم اور جھوٹ کہا ہے۔ کیا وہ جھوٹ آنحضرتؐ کی بعثت کی شہادت بن کر نازل ہو گیا؟ اس شہادت پر کیسے اعتماد کریں گے جبکہ قرآن کہتا ہے "**یلقون السمع و اکثرھم کذبون** (۲۶۔۲۲۳)" (یہ یونہی کان لگاتے ہیں اور اکثر جھوٹے لپاٹیے ہیں۔) جب کاہنوں کی باتوں میں کوئی صداقت نہیں تو ایسی شہادت کس کام کی؟ قرآن کی رو سے تو آپ کے لئے ان کی شہادت پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

ابن ناطور کے متعلق زہری بتاتے ہیں کہ وہ صاحب ایلیاء و ہرقل تھا۔ یہاں صاحب کا لفظ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ ایلیاء کا امیر اور ہرقل کا مامور تھا۔ وہی لاٹ پادری بھی تھا۔ رومیوں کی حکومت میں یہ انتظام تھا کہ مذہب کی وہ اتنی سی خدمت کرتے تھے کہ ایک ایک پادری ہر جگہ سرکاری طور پر

مقرر کر دیا جاتا تھا تاکہ معلوم ہو کہ حکومت بہرحال مذہبی ہے۔ ابن ناطور ایسا ہی پادری تھا۔

ہرقل کے متعلق روایت میں ہے کہ وہ نجوم اور کہانت میں ماہر تھا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانت اور نجوم توام علم ہیں۔ ہر کاہن کا نجومی ہونا اور ہر نجومی کا کاہن ہونا ضروری تھا۔ غیبی خبریں حاصل کرنے کے یہی دو ذریعے تھے لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ دونوں علم باطل ہیں۔

زہری کے بیان کے مطابق ہرقل نے ستاروں میں غور کرنے کے بعد معلوم کیا کہ مختونوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے تو اس نے اس امر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا کہ ہماری قوم میں سے کون ختنے کراتا ہے۔ پال کے متعلق معلوم ہے کہ اس نے عیسائیوں کو ختنہ کرانے سے روک دیا تھا کیونکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ مسیح نے جو شریعت بتائی وہ صرف یہودیوں کے لئے تھی۔ یہودی ختنہ کرایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ آل ابراہیم میں پہلے ہی اس کا رواج رہا تھا۔ لہٰذا ہرقل کو بتایا گیا کہ یہود ختنہ کراتے ہیں لیکن ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ آپ علاقے کے گورنروں کو حکم کر دیں کہ یہودیوں کو قتل کر دیں۔ اسی دوران میں غسان کے بادشاہ کے ایلچی نے آ کر آنحضرتؐ کے ظہور کی خبر دی۔ اب بات پہلے سے زیادہ موکد ہو گئی تو ہرقل نے حکم دیا کہ معلوم کرو یہ شخص مختون ہے کہ نہیں۔

ہرقل کا مختونوں کے متعلق یہ تمام استفسار بالکل غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس جیسے قابل رومی بادشاہ کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ آل ابراہیم اور یہود ختنہ کراتے ہیں۔ یہ بات تو اس کو عربوں کے متعلق بھی معلوم ہونی چاہئے تھی کہ اولاد ابراہیم ہونے کے باعث وہ بھی ختنہ کراتے ہیں۔ یہ کوئی راز کی بات نہ تھی جو اس کو معلوم نہ ہوتی۔

بعد ازاں حمص میں ہرقل کا اپنے محل میں رومیوں سے خطاب کرنا اور ان کا رد عمل دیکھ کر یہ کہنا کہ میں تو عیسائیت پر تمہاری پختگی کا امتحان کر رہا تھا' میں خدانخواستہ اسلام کیسے لا سکتا ہوں' اس روایت کے پہلے حصہ کی کامل نفی کر دیتا ہے۔ اس میں ہرقل کی اس بات کی نفی مقصود ہے کہ اگر میں آپ کے پاس پہنچ پاتا تو آپؐ کے پاؤں دھوتا۔ اس ادراج سے زہری کا اصل مقصد ہرقل کی اس شہادت کو جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دی تھی باطل ٹھہراتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ امام بخاری نے اس بے بنیاد اضافہ کو ایک شاندار روایت کے آخر میں کیوں ٹھونس دیا ہے جبکہ نہ صرف یہ کہ یہ اضافہ حدیث نہیں بلکہ اصل روایت کے مضمون کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اس روایت کا باب کیف کان بدء الوحی سے کیا تعلق ہے۔ ساری کی ساری بات یا تو ہرقل کے متعلق ہے یا نبوت کے خواص 'لوازم اور تاریخ سے متعلق اور یہ واقعہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لا چکے تھے اور وحی کا سلسلہ

بقیہ برصفحہ ۷۔

باغ کی فروخت کا مسئلہ

موطا کی کتاب البیوع

ماجاء فی ثمر المال یباع اصلہ

حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من باع نخلا قد ابرت فثمرھا للبائع الا ان یشترط المبتاع۔

ترجمہ : عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کھجوروں کا ایسا باغ بیچا جس میں گابھا لگایا جا چکا تھا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہو گا الا یہ کہ خریدنے والا شرط ٹھرائے۔

وضاحت :

عربوں میں گابھا لگانے کا ایک طریقہ رائج تھا کہ نر کھجور کے اندر سے کچھ ذرے لے کر مادہ کھجوروں کے اوپر چھڑکتے تھے تو پھل زیادہ آتا تھا۔ اسی کے متعلق دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اگر یہ نہ کرو تو کیا ہے۔ لوگوں نے گابھا لگانا چھوڑ دیا تو پھل کم آئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ "انتم اعلم بامور دنیاکم" (تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر طور پر جانتے ہو) معلوم ہوا کہ یہ وحی کا معاملہ نہیں تھا اور نہ دین کا معاملہ تھا۔ بلکہ یہ تجربات کا معاملہ تھا۔ جن چیزوں کا تعلق اس دنیا کے نفع عاجل سے ہے تو ان چیزوں کا تقاضا خود ہمارے اندر اتنا ہے کہ اس کے اصول ' اس کی صنعت اور اس کے طریقے سکھانے کی مذہب کو ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف یہ جاننے کی ہے کہ اس دنیا کی چیزوں کو کن اخلاقی حدود و قیود کے اندر رہ کر استعمال کریں۔ مثال کے طور پر مذہب کو ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کپڑے کی تراش خراش کیسی ہو ' ٹوپی اور پاجامے کی وضع قطع کیسی ہو۔ لیکن وہ اخلاقی حدود بتاتا ہے کہ مرد ریشم کے کپڑے نہ پہنے ' کپڑے سے تفاخر کا اظہار

نہ ہو ' مرد عورتوں کا اور عورتیں مردوں کا لباس اختیار نہ کریں ' وغیرہ۔ البتہ آخرت کے متعلق یہ چیزیں بتانے کی ہیں کہ خدا کو راضی کرنے کا کیا طریقہ ہے ' عبادت کس طرح کی جائے ' رکوع و سجود کیسے ہونے چاہئیں۔ گویا اصل بات یہ ہے کہ دنیاوی امور کے لئے انسان کے اندر اتنی ذہانت ہے کہ اس کو کچھ لگام لگانے کی ضرورت ہے مہمیز دینے کی نہیں۔ اس کو اخلاقی اصولوں کا پابند بنانا ضروری ہے۔

احناف کے نزدیک باغ کو گابھا لگایا گیا ہو یا نہ لگایا گیا ہو پھل بائع کا ہو گا اور باغ کو پانی دینے اور اس کی حفاظت کے جتنے امور ہیں ان کی ذمہ داری مشتری پر نہ ہو گی اور خریدار کو یہ حق بھی ہے کہ وہ بائع سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ باغ کا پھل توڑ لو۔ میں اس کے پکنے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نہیں ' خریدار پانی بھی دے گا ' دیکھ بھال بھی کرے گا اور بائع کو پھل اس وقت تک روکنے کا حق ہے جب تک کہ اس کے اترنے کا وقت نہ آ جائے۔

میرے نزدیک حنفیہ کا فتویٰ مصلحت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے لیکن روایت کے الفاظ مالکیہ اور شافعیہ کے حق میں جاتے ہیں۔ بیع کے بارے میں یہ اصول معروف ہے کہ اگر بیع میں کوئی ایسی شرط لگا دی جائے جو مالکیت کے منافی ہو تو وہ بیع ناجائز ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے بھی حنفیہ کا مسلک درست ہے۔ اس اصول کو مالکیہ اور شافعیہ بھی مانتے ہیں کہ جب تک مکمل تملیک نہ ہو تو بیع نہیں ہوتی۔ باغ کی فروخت کی صورت میں اگر شرائط اس طرح کی ہوں کہ خریدنے والا باغ کو پانی دینے ' پھل کو پرندوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے اور اس وقت تک باغ کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہو جب تک پھل اترنے کا وقت نہیں آتا تو یہ بیع کیا ہوئی۔

النھی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحھا

حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحھا نھی البائع و المشتری۔

پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے بیچنے کی ممانعت

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ پھل کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ آپؐ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

حدثنی عن مالک عن حمید الطویل عن انس ابن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الثمار حتی تزھی فقیل لہ یارسول اللہ وماتزھی فقال حین تحمر وقال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ارأیت اذا منع اللہ الثمرۃ فبم یاخذ احدکم مال اخیہ۔

ترجمہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ان کے زہو تک۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ زہو سے کیا مطلب ہے۔ فرمایا کہ جب تک کہ وہ سرخ نہ ہو جائے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ بتاؤ "اگر اللہ پھل روک دے تو کس چیز کے بدلے تم اپنے بھائی کا مال لو گے ؟

حدثنی عن مالک عن ابی الرجال محمد بن عبد الرحمن بن حارثہ عن امہ عمرۃ بنت عبد الرحمن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الثمار حتی تنجو من العاھۃ قال مالک وبیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا من بیع الغرر۔

ترجمہ — عمرہ بنت عبد الرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ آفت سے محفوظ نہ ہو جائیں اور امام مالکؒ کا کہنا یہ ہے کہ وہ بیع جو صلاحیت ظاہر ہونے سے قبل ہوتی ہے وہ بیع غرر (دھوکا) ہوتی ہے۔

حدثنی عن مالک عن ابی الزناد عن خارجۃ بن زید بن ثابت عن زید بن ثابت انہ کان لا یبیع ثمارہ حتی تطلع الثریا۔

ترجمہ — زید بن ثابت کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنا باغ نہیں بیچتے تھے جب تک کہ ثریا طلوع نہ ہو۔

ثریا کے طلوع کا زمانہ گرمیوں کا زمانہ ہے۔

ان تمام روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ کے پھل کا سودا اس وقت تک کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس کی صلاحیت اور امکانات ظاہر نہ ہو جائیں۔

پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے کا کیا مطلب ہے اس بارے میں روایت مختلف ہیں۔ ایک روایت میں ہے حتی تزھی (جب تک پک نہ جائے) دوسری روایت میں ہے۔ حتی یحمر (جب تک سرخی نہ پیدا ہو جائے) تیسری جگہ فرمایا حتی ینجو من العاھۃ (جب تک آفات سے محفوظ نہ ہو جائے)۔ یہ شرط کب پوری ہوتی ہے یہ بات واضح نہیں۔ حقیقت میں پھل محفوظ تو صرف اس وقت ہوتا ہے جب اس کو توڑ کر گھر میں ڈال لیا جائے لیکن ظاہر ہے یہاں مراد معروف بلاؤں سے محفوظ ہونا ہے۔ ہر پھل کے نقصان کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے۔ اگر اس زمانے میں کوئی آفت نہ آئے تو باغ بچ جاتا ہے۔ پھر بعض روایات میں حتیٰ یتنح کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی پھل پکنے لگے۔ ان تمام روایات کی روشنی میں یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہو جاتا ہے کہ بدو صلاح کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

باغ کے معاملہ میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس میں صلاحیت کے ظہور کا کوئی وقت بھی ایسا

نہیں ہو سکتا جو پورے باغ پر محیط ہو۔ کچھ پھل پہلے تیار ہو جاتے ہیں اور کچھ کافی مدت کے بعد تیار ہوتے ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا وقت ہے جب باغ کا پھل بیچا جا سکتا ہے۔

پھر موجودہ زمانے میں باغ ایک' دو یا تین سال کے لئے ٹھیکے پر دینے کا رواج ہے۔ جب بیع ہوتی ہے تو پھل کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا لہذا بدو صلاح کا مرحلہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حدیث کی رو سے یہ بیع جائز نہیں تو پھر مسئلے کا حل کیا ہے ؟

پہلے تو بدو صلاح کے معاملہ کو لیجئے۔ میرے نزدیک بدو صلاح کا مطلب یہ ہے کہ جب باغ کی پیداوار پر پھل کا اطلاق ہو سکے اور پھل اگرچہ اپنے تمام استعمالات کے لئے ابھی موزوں نہ ہو لیکن اتنی صلاحیت ضرور ظاہر ہو چکی ہو کہ وہ کسی کام میں لایا جا سکے۔ مثلاً آم میں جب کیریاں یا گٹھلیاں بن جائیں اور وہ اچار وغیرہ کے کام میں لایا جا سکے تو اس وقت اس کو بیچا جائے۔ مالٹے بھی کچے ہی قابل فروخت ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں ان پر بدو صلاح کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

پورے باغ پر کسی ایک وقت میں بدو صلاح کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ درخت پر کچھ پھل تو بدو صلاح کی حالت پر جلدی آجاتے ہیں دراں حالیکہ اسی درخت پر پھول بھی آرہے ہوتے ہیں جن کو پھل بننے میں ایک یا دو مہینے درکار ہوتے ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر علاقے کے ایک باغ پر بھی بدو صلاح کی اصطلاح صادق آگئی ہے تو دوسرے تمام باغوں پر بھی اس کا اطلاق ہو گا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ شمارے کے سارے باغ پر بدو صلاح صادق آتی ہو۔ اگر کچھ پھل اس حالت کو پہنچ گئے ہوں تو پورے باغ پر اس کا اطلاق کر دیا جائے گا اور ایسے باغ کی بیع جائز ہو گی۔ میرے نزدیک یہ رائے صحیح اور مسئلے کا حل پیش کرتی ہے۔

اب رہا ٹھیکے پر دینے کا مسئلہ جب کہ باغ میں پھل کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا تو اس مسئلے کو اس تناظر میں حل کرنا چاہئے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حرمت سد ذریعہ کے لئے ہے۔ حقیقت میں ان کے اندر حرمت کا سبب موجود نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ ذریعہ بنتی ہیں حرام کا اس لئے ان کو روک دیا جاتا ہے۔ لہذا سد ذریعہ میں اصل مصلحت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ وہ مصلحت اگر ملحوظ رہے تو دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

میرے نزدیک یہ بیع جائز ہو سکتی ہے لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ چونکہ روایت میں ہے کہ اگر اللہ پھل روک لے تو تم کس بنیاد پر اپنے بھائی کا مال لو گے۔ تو اس خطرے کے تدارک کے لئے کہ ایک سال پھل کم آئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ بیع ہو تو ایک سال کے لئے نہیں بلکہ کم از کم تین سال کے لئے ہونی چاہئے تاکہ اگر بالفرض ایک سال پھل نہیں آتا یا کم آتا ہے تو اس کی کمی یا نقصان کی

تلافی بقیہ دو سالوں میں ہو جائے ۔ اس لئے کہ یہ واقعہ ہے کہ بعض درخت یا باغ ایک سال اگر پھل کم دیتے ہیں تو اگلے سال بہت اچھا پھل بھی دیتے ہیں ۔ تو اس مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ دو یا تین سال کے لئے معاملہ کیا جائے ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آفات کے متعلق یہ شرط عائد کر دی جائے کہ اگر نقصان ایک ثلث یا اس سے زیادہ ہو تو مالک اس کا ذمہ دار ہو گا ۔ مالکیہ کا فتوے بھی یہی ہے ۔ اگر نقصان ایک ثلث سے کم ہو تو مالک بری ہو گا ۔ یہی معاملہ اس صورت میں بھی ہو گا جب باغ پانی سے محروم ہو جائے اور پھل اس قدر کم دے کہ نقصان ایک تہائی سے زیادہ ہو جائے کیونکہ پانی کا انتظام مالک کے ذمہ ہوتا ہے ' ٹھیکے دار کو اس پر اختیار نہیں ہوتا ۔ اس وجہ سے بھی یہ ضروری ہے کہ ٹھیکے کی معیاد کم از کم تین سال ہو تاکہ اس قسم کی وجوہ سے جو نقصان ہو اس کی آئندہ سالوں میں تلافی ہو سکے ۔

ان شرائط کے تحت بیع میں حرمت کی علت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی بیع میں کسی فریق کے لئے غرر یا ضرر کا پہلو پایا جاتا ہے ۔

ماجاء فی بیع العریۃ

۱ ۔ **حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر عن زید بن ثابت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارخص لصاحب العریۃ ان یبیعہا بخرصہا**

عریہ کی فروخت کے بارے میں حکم

ترجمہ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب عریہ کو اجازت دی کہ وہ اس کو تخمینہ کی بنیاد پر بیچ سکتا ہے ۔

۲ ۔ **حدثنی عن مالک عن داؤد بن الحصین عن ابی سفیان مولی ابن ابی احمد عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارخص فی بیع العرایا بخرصہا فیما دون خمسۃ اوسق او فی خمسۃ اوسق ۔**

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کو فروخت کرنے کی رخصت دی ' تخمینہ کر کے اگر اس کی مقدار پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق ہو ۔

وضاحت " عریۃ " کے معنی باغ سے الگ کیا ہوا حصہ ہے ۔ " عرایا " اس کی جمع ہے ۔ عریہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی کے پاس باغ ہو ' وہ اس کو بیچ دے لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہے کہ اس کا تازہ پھل بھی اس کو ملتا رہے تو وہ اس کی خاطر کچھ درخت مخصوص کرے اور باغ والے سے یہ طے کرے کہ وہ اس کے بدلے میں تخمینہ کر کے خشک پھل دے دے گا ۔

جب تولنا ممکن ہو نہ ناپنا تو اس وقت تخمینہ کا طریقہ ہی اختیار کیا جاتا ہے ۔ خیبر کی پیداوار کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ درخت پر ہی اس کا پھل تخمینہ کر لیا جاتا تھا کہ کتنا پھل اترے گا اور اس میں کتنی زکوۃ ہو گی ۔ معلوم ہوا کہ ان صورتوں میں بیع تخمینہ سے بھی ہو سکتی ہے اور بجائے خود تخمینہ پر شریعت کو کوئی اعتراض نہیں ۔ شرعی لحاظ سے عریہ کی بیع میں قضیہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں بیع مزابنہ کی صورت ہے جس کی ممانعت ہے کیونکہ حکم یہ ہے کہ التمر بالتمر کیلا (کھجور کے بدلے کھجور ناپ کر فروخت کی جائے) اور عریہ کی صورت یہ ہے کہ تازہ پھل جو ابھی درخت پر ہے وہ خشک کھجور کے بدلے میں بیچا جائے تو یہ بیع مجہول بالمجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے ۔ اس میں ربا اور قمار کا شائبہ بھی ہے ۔

مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع فی الحقیقت بیع ہے ہی نہیں بلکہ جس طرح کسی چیز میں سے کچھ منہا کر دینا ہوتا ہے یا کسی چیز کا مالک بنا دینا ہوتا ہے یہ اس نوعیت کی چیز ہے اور یہ بیع کی تعریف میں ہی نہیں آتی ۔ میرے نزدیک یہ صرف بات بنائی گئی ہے ۔

دوسری رائے یہ ہے کہ حقیقت میں مصلحت کی بنا پر ضرورت کے نظریہ کے تحت یہ ایک رخصت ہے ۔ اس لئے کہ ایک آدمی نے اپنا باغ تو بیچ دیا لیکن تازہ پھل کھانے کو جی چاہتا ہے تو اس کی کیا شکل ہو ۔ تو اس ضرورت کے تحت یہ عریہ کی شکل اختیار کی جاتی ہے ۔ لیکن اس میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مصلحت کی بنا پر ایک کام جو ناجائز ہے اس کو جائز کیا جا سکتا ہے ۔ شاہ ولی اللہ اس کا جواب اپنے رنگ میں یہ دیتے ہیں کہ ایک احکام مصالح عباد ہیں اور ایک احکام شرائع ہیں ۔ اگر ان میں تصادم نہ ہو تو شریعت مقدم ہے ۔ میرے نزدیک یہ کوئی خاص نکتہ نہیں ۔ مصالح عباد شریعت ہی کا حصہ ہیں ۔ جو جائز ہے اس میں بھی مصلحت ہے اور جو حرام ہے اس میں بھی مصلحت ہے ۔ شریعت سے الگ کوئی مصالح نہیں اور شریعت کے تمام احکام میں مصلحت عباد ملحوظ ہے ۔

میرے نزدیک بیع کی یہ شکل بیع مزابنہ میں ایک استثنا کی صورت ہے ۔ یہ ضرورت کے تحت بھی ہے اور اس شرط کے ساتھ بھی کہ مقدار پانچ وسق سے زیادہ نہ ہو ۔ مقدار معین کرنے سے فتنے کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے ۔ اس میں کسی نقصان کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا ۔ یہ رخصت صرف عریہ کے لئے ہے ' دوسری شکلوں میں تر اور خشک کھجور کی بیع جائز نہیں ۔

شاہ ولی اللہ نے اس روایت کی ترتیب بدل دی ہے اور اس کو بیع مزابنہ کے اوپر تمہید کے طور پر رکھ دیا ہے ۔ اس سے وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بیع اسی کا حصہ ہے ۔ میرے نزدیک یہ

بات معقول ہے۔

الجائحۃ فی بیع الثمار والزرع

حدثنی یحیی عن مالک عن ابی الرجال محمد بن عبدالرحمن عن امہ عمرۃ بنت عبدالرحمن انہ سمعہا تقول ابتاع رجل ثمر حائط فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعالجہ وقام فیہ حتی تبین لہ النقصان فسأل رب الحائط ان یضع لہ او ان یقیلہ فحلف ان لا یفعل فذہبت ام المشتری الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذالک لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تألی ان لا یفعل خیرا فسمع بذالک رب الحائط فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ہو لہ۔

پھلوں اور کھیتی کی بیع میں آفت سے نقصان

ترجمہ محمد بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھلوں کا باغ خریدا۔ اس نے اس کی دیکھ بھال کی یہاں تک کہ اس پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس باغ میں نقصان ہو گا۔ اس نے باغ کے مالک سے درخواست کی کہ وہ قیمت میں کچھ کمی کر دے یا بیع کو فسخ کر دے۔ مالک نے قسم کھا کر کہا کہ وہ یہ نہیں کرنے کا۔ خریدنے والے کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ قصہ بیان کیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اس نے نیکی نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ باغ والے نے جب یہ سنا تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور میں نے مانا جو یہ کہتا ہے۔

وحدثنی عن مالک انہ بلغہ ان عمر بن عبدالعزیز قضی بوضع الجائحۃ قال مالک وعلی ذالک الامر عندنا۔ قال مالک والجائحۃ التی توضع عن المشتری الثلث فصاعدا ولا یکون مادون ذالک جائحۃ۔

ترجمہ امام مالک سے روایت ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ طریقہ تھا کہ آفت کا نقصان منہا کر دیا کرتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارا فتوی اسی پر ہے ان کا فتوی یہ ہے کہ آفت کا نقصان جو مشتری سے منہا کیا جائے گا وہ ایک ثلث قیمت یا اس سے زیادہ ہے نقصان ایک ثلث سے کم ہو تو یہ آفت قرار نہیں پائے گی۔ پہلی روایت اگرچہ مرفوع ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کو مرسل کہا ہے تاہم اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ دوسری روایت میں ایک تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اثر ہے اور دوسرے امام مالک کا فتوی ہے۔

پہلی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے متعلق دو مختلف رائیں ہیں اس کی روشنی میں شوافع اور حنفیہ آفت کے نقصان کو پورا کرنا باغ کے مالک کے لئے مستحب مانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ اس شخص کو فوراً پکڑ کر حاضر کرو' وہ ایسی حرکت کس طرح کر سکتا ہے تب ہی وجوب کا پہلو نکلتا۔ مالکیہ آفت کا نقصان پورا کرنا واجب مانتے ہیں۔ آنحضرت ؐ کے ارشاد سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو نقصان سے بچانا بڑی اہم نیکی اور ایسی چیز ہے جس کے نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ اس لئے میرے نزدیک مالکیہ کا مذہب زیادہ قوی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عمل یہ تھا کہ آفت سے نقصان کی صورت میں قیمت میں کمی کرا دیتے تھے۔ ان کا عمل بھی خلیفہ راشد کی حیثیت سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یعنی فقہائے مدینہ کے نزدیک یہ امر متفق علیہ ہے کہ خریدار سے نقصان کی قیمت منہا کر دی جائے بشرطیکہ نقصان ایک تہائی سے زیادہ ہو۔ ایک تہائی انہوں نے کس بنیاد پر لیا ہے اس کے لئے کوئی دلالۃ النص یا اشارۃ النص نہیں' یہ صرف ذوق سلیم پر مبنی ہے۔ اس بارے میں جب بھی قانون بنایا جائے گا تو کوئی نہ کوئی مقدار تو مقرر کرنی پڑے گی۔ مالکیہ نے وہ ایک تہائی مقرر کی ہے جو میرے نزدیک مناسب ہے۔ یہ بات بھی کہ ایک تہائی سے کم نقصان ہو تو وہ آفت کی تعریف میں نہیں آئے گا' نہایت معقول ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

خالد مسعود

امام فراہیؒ کا تصورِ حکمت

حکمت کا لفظ دانائی کی باتوں کے لئے ایک معروف لفظ ہے اور نہایت کثیر الاستعمال ہے لیکن مختلف علوم کے ماہرین اور اہل لغت اس کی تعبیر اتنے مختلف طریقوں سے کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک عام لفظ کے اندت کتنا جہان معانی آباد ہے۔ اہل فلسفہ اور صوفیاء اپنی کاوشوں کو حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں' اہل لغت اس کا مفہوم کچھ اور بیان کرتے ہیں' اہل تاویل کے مابین قرآن کے اندر لفظ حکمت کے معانی کے تعین میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ قرآن مجید میں یوں تو لفظ حکمت متعدد مقامات پر آیا ہے لیکن رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے فرائض منصبی کے بیان میں تعلیم حکمت کی تکرار اس قدر نمایاں ہے کہ آدمی اس کی اہمیت سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کے ایک طالب علم کے لئے حکمت کے مفہوم کو سمجھنا ازبس ضروری ہے۔

امام حمید الدین فراہیؒ کا موضوع فکر قرآن حکیم تھا' اس کے ہر پہلو پر ان کی نظر تھی اور کسی بھی اہم لفظ یا مضمون پر سے وہ بلا تحقیق گزر جانے کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے لفظ حکمت کی اہمیت کے پیش نظر اس کو بھی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس کی لغوی تحقیق ان کی کتاب مفردات القرآن میں ہے جبکہ قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر انہوں نے اپنی ایک مستقل تصنیف حکمۃ القرآن میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ امام فراہیؒ کے نتائج تحقیق نہایت وقیع' فکر آفریں اور قرآن مباحث کو سمجھنے کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

لفظ حکمت کے معنی

لفظ حکمت مادہ ح ک م سے مشتق ہے۔ اسی مادہ سے دوسرا اسم حکم ہے۔ لسان العرب میں

حکم کے معنی العلم والفقہ والقضاء بالعدل یعنی علم' سوجھ بوجھ اور عدل کے مطابق فیصلہ کے آئے ہیں۔ تاج العروس میں اس کے معنی میں القضاء فی الشی یعنی کسی معاملہ کا فیصلہ کرنا۔ اس میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق صرف اس فیصلہ پر ہوتا ہے جو عدل کے ساتھ کیا جائے۔ امام فراہیؒ کے نزدیک الفاظ کے لغوی معانی کے تعین کے لئے مرجع کی بہترین کتاب خود قرآن مجید ہے۔ اس کے استعمالات کی روشنی میں انہوں نے لفظ حکم کا اطلاق محض فیصلہ کرنے پر کیا ہے' خواہ یہ فیصلہ حق ہو یا باطل۔ اس معنی کے لئے ان کی رہنمائی جن آیات سے ہوئی وہ یہ ہیں۔

مالكم كيف الجاهلية يبغون (مائده ۵۰)

تمہیں کیا ہوا ہے' تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

افحكم الجاهلية يبغون (مائده ۵۰)

کیا وہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں۔

اول الذکر آیت مشرکین کی اس غلط رائے پر تعجب کا اظہار کرتی ہے جو وہ آخرت کے بارے میں ظاہر کرتے تھے۔ موخر الذکر آیت میں جاہلیت پر مبنی فیصلہ پر لفظ حکم کا اطلاق کیا ہے۔ یہ فیصلہ' ظاہر ہے' حق کے مطابق نہ تھا۔ امام فراہی کے نزدیک لفظ کا اصل مفہوم یہی تھا لیکن پھر اس کا اطلاق اس قوت پر بھی ہونے لگا جس کی بدولت آدمی صحیح فیصلے کرتا ہے۔

لفظ حکمت بھی مادہ ح ک م سے اسم ہے جس کے معانی لسان العرب میں **معرفۃ افضل الاشیاء بافضل العلوم** کے آئے ہیں یعنی اعلیٰ چیزوں کی پہچان بہترین علوم کے ذریعہ سے حاصل کرنا۔ دوسرے معنی عدل کے بتائے گئے ہیں۔ تاج العروس میں اس سے مراد **العلم بحقائق الاشياء على ماهى عليه والعمل بمقتضاها** یعنی اشیاء کی حقیقت کو ان کی اصلیت کے مطابق جاننا اور اس علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہے۔ حق کو علم و عمل دونوں کے لحاظ سے درست قرار دینا اور عدل سے فیصلہ کرنا بھی حکمت قرار دیا گیا ہے۔ جرجانی کے نزدیک ہر وہ بات جو حق کے موافق ہو حکمت کہلاتی ہے اور اس لفظ کا اطلاق اس علم پر بھی ہوتا ہے جس کے ساتھ عمل پایا جائے۔ راغب اصفہانی علم اور عقل سے حق کی مطابقت کو حکمت قرار دیتے ہیں۔ امام رازی نے اس کی تعبیر قول و عمل کی درستی اور ہر شے کو اس کا مقام دینے سے کی ہے۔ امام فراہی نے لفظ کے معانی کا تعین اولاً اہل عرب کے استعمالات کی روشنی میں کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اہل عرب حکمت کا اطلاق اس قوت پر کرتے تھے جو عقل ورائے کی درستی اور اس سے پیدا ہونے والی اخلاقی شرافت کی جامع ہو۔ اس لئے

وہ ایک دانش مند اور مہذب آدمی کو حکیم کہتے تھے۔ لہٰذا امام فراہی نے حکمت کی تعبیر اس قوت سے کی ہے جس کے باعث آدمی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس قوت کے اثرات کلام کی حقانیت، اخلاق کی پاکیزگی اور حسن ادب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ثانیاً امام فراہی کے پیش نظر قرآن مجید کی وہ آیات بھی ہیں جن میں حکمت کے معانی کا تعین کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا۔

واتینٰه الحکمة و فصل الخطاب (ص ۲۰)

ہم نے اس کو حکمت اور معاملات کے فیصلہ کی صلاحیت عطا کی۔

مولانا فراہی کے نزدیک الفاظ فصل الخطاب میں حکمت کا ایک اثر یہ بیان ہوا ہے کہ جہاں حکمت موجود ہوتی ہے وہاں حق پر مبنی دو ٹوک بات کہی جاتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں بعض اخلاقی ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

ذالک مما اوحی الیک ربک من الحکمة (۳۹)

یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت میں سے تمہاری طرف وحی کی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ اخلاق اور شریفانہ کردار بھی حکمت ہی کا ایک پرتو ہے۔ ان آیات کی روشنی میں امام فراہی کی بتائی ہوئی حکمت کی تعریف کی تائید ہوتی ہے۔

حکمت کی خصوصیات:

مولانا نے حکمت کی بعض خصوصیات بیان کر کے اس کے تصور کو قریب الفہم بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حکمت کی بات عقل و دل کے نزدیک نہایت بدیہی اور واضح ہوتی ہے۔ یہ اس قدر دل میں اتر جانے والی ہوتی ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے مزید دلائل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ حکمت ایک نور ہے۔ جس طرح روشنی سے ارد گرد کی تمام چیزیں جگمگا اٹھتی ہیں اسی طرح حکمت کے نور سے آدمی کا علم منور ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح آگ کا اثر حرارت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ہر شخص اس کو محسوس کر لیتا ہے، اسی طرح حکمت بھی اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے۔ جب یہ کسی شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر حق شناسی کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے حق نکلتی ہے اور اس سے جو فعل صادر ہوتا ہے ٹھیک صادر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حکیم آدمی کا دل اپنے اندر رفعت محسوس کرتا ہے، اس کا کلام نہایت دل نشین ہوتا ہے، اس کا عمل نیکی پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ اخلاق کا مجسمہ ہوتا ہے۔

لوگوں میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ اہل فلسفہ حکمت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کو

حکیم کہا بھی جاتا ہے لیکن امام فراہی اس نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک فلسفیوں نے علم اور عالم کو موضوع فکر تو ضرور بنایا لیکن بالعموم ان کے فکر کی کوئی مضبوط اساس نہ تھی۔ وہ اوہام کا شکار رہے اور علم کے اصل سرچشموں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ ارسطو تمام علوم کا احاطہ کر لینے کو حکمت کا نام دیتا تھا حالانکہ علوم کا احاطہ کسی بھی انسان کے بس میں نہیں۔ اس مخمصہ سے نکلنے کے لئے اس نے علم کو کلیات کے علم تک محدود کرنے کی کوشش کی اور مابعد الطبیعیات کے علم کو اعلیٰ حکمت قرار دیا لیکن اس کے باوجود وہ ابتدائی وہم سے نہ نکل سکا۔ امام فراہی عام علوم کو حکمت کا موضوع سمجھتے ہی نہیں۔ اس لئے مسلمان فلسفیوں ـــــ اخوان الصفا، ابن سینا، الفارابی، الخوارزمی، الغزالی اور ابن خلدون ـــــ کی علوم کی وہ تقسیم جس میں وہ پائیدار علوم کو حکمت کا نام دیتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔

امام فراہی کے نزدیک ایک حکیم کے اندر حق کی جستجو کا مادہ اور جانچ پرکھ کی زبردست صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ باطل میں سے حق کو چھانٹ لیتا ہے۔ حق میں جو نورانیت ہوتی ہے اس کو حکیم کی فطرت کی بصیرت فوراً محسوس کر لیتی ہے۔ چونکہ اس کائنات کا سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بندے کا ایمان لانا ہے اس لئے مولانا فراہی کے نزدیک ایک حکیم کی پہلی شناخت اس کا ایمان ہے۔ وہ اس حق کو پہچانے، اس پر اس کا دل مطمئن ہو جائے، وہ ہر باطل سے دستکش ہو جائے اور عمل صالح کو اختیار کر لے تو وہ بلاشبہ ایک حکیم ہے۔ اگر وہ ایمان تک نہ پہنچ سکا تو دوسرے علوم و فنون میں اس کی مہارت کی بدولت اس کو حکیم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سلف میں حکمت کے مفہوم پر اختلاف کی وجہ:

سلف صالحین کے دور میں حکمت کے قرآنی مفہوم کے تعین میں اختلاف واقع ہوا ہے جس کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں ملتی ہے۔ امام فراہی کے پیش نظر یہ اختلاف تھا اور انہوں نے اس کو رفع کرنے کی نہایت عمدہ کوشش کی ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ امام مالک اور ابورزین کی رائے میں حکمت سے مراد دین کی سوجھ بوجھ اور ایسا فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہوتا ہے۔ مجاہد نے اس کو قرآن کے فہم کے لئے مخصوص کیا ہے۔ یحیٰ بن معاذ کی رائے میں حکمت اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس کو وہ عارفین کے دلوں کی طرف بھیجتا ہے تاکہ ان پر دنیا کے مضر اثرات کا ازالہ کرے۔ ابن زید کے نزدیک ہر وہ بات حکمت کی بات ہے جو آدمی کو تنبیہہ کرے، اس کو کسی نیکی کی طرف بلائے یا کسی برے کام سے روکے۔ ابو جعفر محمد بن یعقوب ہر اس بات کو حکمت قرار دیتے ہیں جس سے صحیح فعل پیدا ہو۔ مقاتل کی رائے میں علم اور اس کے مطابق عمل کا نام حکمت

ہے۔ امام فراہی نے ان تمام اقوال کا حوالہ دے کر ان کو ایک ہی حقیقت کی مختلف انداز سے ترجمانی قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک حکمت سب سے پہلے انسان کے دل میں بطور بصیرت و توفیق ظاہر ہوتی ہے۔ دل منور ہوتا ہے تو اس کا اثر کلام پر پڑتا ہے' چنانچہ حکمت کا اظہار انسان کے کلام سے ہونے لگتا ہے۔ وہ حق بات کہتا' نیکی کی تعلیم دیتا اور بدی سے روکتا ہے۔ اس کے بعد حکمت انسان کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے تو وہ اخلاق فاضلہ کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کے علم اور عمل میں کامل مطابقت ہو جاتی ہے۔ امام فراہی کی اس تقریر کی روشنی میں مالک' ابورزین' مجاہد اور یحیی بن معاذ حکمت کے اولین مقام دل کے حوالے سے اس کی وضاحت کرتے ہیں' ابن زید اور محمد بن یعقوب نے کلام میں اس کے اثر کو نمایاں کیا ہے اور مقاتل نے علم و عمل دونوں میں حکمت کے اثرات کا حوالہ دیا ہے۔

رسول اللہ کے فرائض میں تعلیم حکمت:

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی کے ضمن میں تعلیم کتاب و حکمت کا ذکر بہت نمایاں ہے۔ اس کی تفسیر میں تعلیم کتاب کے لئے بالعموم مفسرین کا ذہن قرآن مجید کی طرف گیا ہے لیکن تعلیم حکمت کے لئے وہ کسی بات پر اتفاق نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ' جن میں امام شافعی سرفہرست ہیں' یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب کتاب اور حکمت کے الفاظ ساتھ ساتھ آ رہے ہیں تو لازم ہے کہ ان سے دو مختلف چیزیں مراد لی جائیں۔ چونکہ رسول اللہ کی اطاعت اور آپ کے احکام کا اتباع فرض ہے' اس لئے آنحضرت ؐ کی سنت ہی ایسی چیز ہو سکتی ہے جس کا ذکر کتاب اللہ کے ساتھ کیا جائے' لہٰذا حکمت سے مراد سنت رسول اللہ ہے۔ امام فراہی نے اس نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے اور اس کو بحث کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی دو آیات ایسی پیش کی ہیں جن میں کتاب اور حکمت کے الفاظ ایک ساتھ آئے ہیں لیکن وہاں حکمت سے مراد سنت کو ہرگز نہیں لیا جا سکتا۔ وہ آیات یوں ہیں۔

وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ و علمک مالم تکن تعلم (النساء - ۱۱۳)

اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور تمہیں وہ چیز سکھائی جو تم نہیں جانتے تھے۔

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایٰت اللہ والحکمۃ (الاحزاب ۳۴)

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔

ان آیات میں حکمت کے لئے فعل انزل اور تلی استعمال ہوئے ہیں جو قرآن میں صرف وحی آسمانی کے لئے آئے ہیں۔ آنحضرت ؐ پر وحی نازل ہوتی اور اسی کی تلاوت آپ کی ازواج مطہرات کے

گھروں میں ہوا کرتی تھی۔ یہ دونوں فعل کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال کے لئے استعمال نہیں ہوئے۔ مولانا فراہی کا مزید استدلال یہ ہے کہ حدیث رسول ؐ دانش و موعظت کے مضامین کے لئے خاص نہیں بلکہ احکام شریعت کی حامل بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اس کا تعلق قانون سے ہو تو اس صورت میں اس پر حکمت کے لفظ کا اطلاق بالکل نامناسب ہو گا۔ مزید براں قرآن مجید نے اپنی تعلیم کے اندر پائے جانے والے اصول دین کو سورہ بنی اسرائیل ۳۹ میں خود حکمت سے موسوم کیا ہے لہٰذا یہ ہرگز ضروری نہیں کہ حکمت سے مراد قرآن سے باہر کی کوئی چیز سمجھی جائے۔ مولانا کے نزدیک "کتاب" سے قرآن مجید کے ایک ضابطہ شریعت ہونے کا مفہوم نکلتا ہے اور حکمت یہ اس اعتبار سے ہے کہ اس میں شریعت کی حکمت' صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس مضمون کی دلیل سورہ آل عمران میں ہے۔ فرمایا

ویعلمہ الکتب و الحکمۃ والتورٰۃ و الانجیل (آل عمران ۴۸)

اور اللہ اس کو کتاب اور حکمت' تورات اور انجیل سکھائے گا۔

اس آیت میں کتاب اور حکمت کی تفسیر تورات اور انجیل سے کی گئی ہے۔ تورات ایک ضابطہ شریعت تھی جس کی تعلیم ایک ایسی قوم کے لئے مناسب تھی جو ابھی عالم طفولیت میں تھی۔ اس کی ذہنی و قلبی استعداد اس سے زیادہ کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کو انجیل عطا کی گئی جس کے متعلق خود انہوں نے یہ وضاحت کر دی کہ یہ صحیفہ حکمت ہے۔

لما جاء عیسی بالبینٰت قال قد جئتکم بالحکمۃ (الزخرف ۶۳)

جب عیسی کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو اس نے دعوت دی کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔

حضرت عیسی علیہ السلام نے تعلیم حکمت کے لئے تمثیلات کے اسلوب کا سہارا لیا۔ تاہم انجیل کی تعلیم بھی ادھوری تھی کیونکہ بنی اسرائیل کی ذہنی استعداد ابھی تک کامل حکمت کے تحمل کے لائق نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عیسی نے اپنی قوم کو یہ واضح پیغام دیا کہ مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنی ہیں لیکن تم ان سب کا تحمل نہ کر سکو گے۔ لہٰذا اب میں جاتا ہوں اور میرے بعد جو آئے گا وہ تمہیں ان باتوں کی تعلیم بھی دے گا جن کی تعلیم میں تمہیں نہ دے سکا۔ یہ بعد میں آنے والے محمد رسول اللہ ؐ تھے اور آپ کے پاس وہ صحیفہ ہدایت تھا جو ضابطہ شریعت اور حکمت دین دونوں کا جامع ہے۔ اس میں ایک طرف حرام و حلال کی تمام حدود نہایت واضح اور متعین ہیں تو دوسری طرف یہ ایک عمیق فلسفہ اور گہری حکمت بھی رکھتا ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک کتاب و حکمت کے الفاظ

استعمال کرنے سے قرآن مجید کی اسی حیثیت کو واضح کرنا مقصود ہے ۔

اس استدلال کی روشنی میں امام فراہی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ امام شافعی کی رائے خطا پر مبنی ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ حدیث رسول ؐ نہ صرف حکمت کی حامل ہوتی ہے بلکہ قرآن کی حکمت کی وضاحت بھی کرتی ہے ۔ مولانا فراہی جہاں اسلاف میں سے کسی کو تنقید کا نشانہ بنائیں تو ان کا رجحان طبع یہ ہوتا ہے کہ وہ ان سے حسن ظن کو مجروح نہ ہونے دیں ۔ چنانچہ امام شافعی کی رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ میں لوگ قرآن کی تاویل غلط عقلیات کی روشنی میں کرنے لگ گئے تھے جس سے آیات کا مفہوم کہاں سے کہاں جا نکلتا تھا ۔ امام صاحب نے ایسے لوگوں پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ فہم کتاب سنت رسول کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ سنت ہی کتاب اللہ کی تبیین کرتی ہے ' ورنہ امام شافعی نے اسی کتاب الرسالۃ میں جہاں یہ بحث لکھی ہے ' مقدمہ کتاب میں علم کو قرآن مجید کے علم پر منحصر مانا اور بتایا ہے کہ دل اگر منور ہوتا ہے تو حکمت کے نور سے منور ہوتا ہے اور یہ حکمت کتاب اللہ کے علم اور اس کے مطابق عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے ۔

تحصیل حکمت کی تدابیر :

مولانا فراہی کے نزدیک انسان کی دو بنیادی صفات اس کی قوت فکر اور قوت ارادہ ہیں ۔ قوت فکر کے ذریعے وہ ان نشانیوں سے استدلال کر سکتا ہے جن سے آفاق و انفس بھرے پڑے ہیں اور قوت ارادہ کی بدولت وہ خیر و سعادت کے کاموں کو اختیار کرتا ہے ۔ حکمت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو غور و فکر کے ذریعے حاصل ہونے والے علم اور ارادہ کی قوتوں میں موافقت پیدا کر لے ۔ حکمت کا منبع انسان کے خارج میں نہیں ہوتا بلکہ اس کی ذات کے اندر اور اس کی فطرت میں ہوتا ہے ۔

اس لئے حکمت کے طالب کو اپنے نفس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے ۔ حکمت کا حصول یکبارگی نہیں ہوتا بلکہ بتدریج ہوتا ہے ۔ یہ عمل بالکل اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح ایک نقشہ کے مطابق کسی عمارت کی تعمیر درجہ بدرجہ مکمل ہوتی ہے ۔

مولانا فراہی دل کے خشوع کو وہ دروازہ قرار دیتے ہیں جس کے راستے حکمت دل میں داخل ہو کر اس کو زندگی بخشتی ہے ۔ خشوع رکھنے والے شخص کو یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا ایک مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے ' اس کو پیدا کرنے والا عادل اور پاکیزہ رب ہے جبکہ انسان غلطی کا ارتکاب کرنے والا ' بھٹک جانے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا ہے ۔ اس احساس سے آدمی میں خشیت پیدا ہوتی ہے ' وہ خلوت و جلوت میں حدود الٰہی کی پابندی اختیار کرتا اور خواہشات نفس کی پیروی سے باز

رہتا ہے ۔ ان صفات سے اس کا قلب صاف اور حکمت کے نور سے مستنیر ہونے کے لئے تیار رہتا ہے ۔

حصول حکمت کے لئے جو چیزیں نہایت اہم ہیں وہ ذکر الٰہی 'تلاوت قرآن ' اللہ کے بندوں پر شفقت اور ان کے لئے جذبہ ترحم ہیں ۔ قرآن حکیم حکمت کا سب سے بڑا خزانہ ہے لیکن اس کے اندر حکمت کے موتی تلاش کرنے کے لئے غور و تدبر کی ضرورت ہوتی ہے ۔ حصول حکمت کی تگ و دو کے لئے انسان جو ذرائع بھی اختیار کرے لیکن مولانا فراہی کے نزدیک اس کے حصول میں کامیابی اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے ۔ حکمت اللہ تعالیٰ کی وہ عطائے خاص ہے جس کے سیکھنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ۔

کتاب حکمت القرآن :

مولانا فراہی کی کتاب حکمۃ القران ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ۔ اس کا غیر مرتب مسودہ موجود ہے ۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس کو شائد چار حصوں میں لکھنا چاہتے تھے مگر کام صرف تین حصوں پر ہو سکا ۔ مسودہ کے پہلے حصہ میں حکمت کا مفہوم اور اس کی خصوصیات ' حکمت اور ایمان کا تعلق ' حکمت کی تعلیم اور اس کے حصول کا طریقہ پر چند فصلیں لکھی گئی ہیں ۔ دوسرے حصہ میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ قرآن حکمت کا سب سے بڑا خزانہ اور اس کا اصل منبع ہے لیکن حکمت اس کے نظم میں پوشیدہ ہے ۔ نظم قرآن تک رسائی کے لئے وسیلہ بھی حکمت ہی ہے ۔ حکمت کے بغیر آدمی یا تو نظم قرآن کا انکار کر دیتا ہے یا اس سے بعد محسوس کرتا ہے ۔ کتاب کے اسی حصہ میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ ایک حکیم آدمی کی صفات کیا ہوتی ہیں ۔ تیسرے حصہ میں امام فراہی دین اسلام کا مبنی بر حکمت نظام بیان کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کا الگ نام تجویز کیا ۔ النظام فی الدیانۃ الاسلامیہ ۔ اس میں دین کا اندرونی نظام ' مختلف اجزا کی باہمی موافقت اور خارج کے ساتھ اس کا تعلق بتایا گیا ہے ۔ ان تینوں حصوں میں انہوں نے اپنے طریقہ کے مطابق بعض فصلیں تو سپرد قلم کر دیں لیکن بعض نا تمام چھوڑی ہیں ۔ اس کتاب کا ترجمہ تدبر میں شائع ہو چکا ہے ۔

اسلامی حکومت کا ایک کامیاب تجربہ

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں امت مسلمہ اگرچہ زوال کا شکار تھی تاہم بعض علاقوں میں اس میں ایسے مصلحین پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کی تعلیم کو نہایت پر حکمت انداز میں پھیلایا ' نئے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا اور اگر موقع ملا تو اسلام کی بنیاد پر سیاسی نظام قائم کرنے کی کوشش کی ۔ ہمارے ملک میں سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین انہی مقاصد کے ساتھ اٹھی لیکن سید صاحب کی قائم کردہ اسلامی ریاست ۱۸۲۵ء سے ۱۸۳۱ء تک برقرار رہ سکی اور ان کی شہادت کے بعد اس کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ۔ اسی زمانہ میں موجودہ شمالی نائیجیریا کے علاقہ میں بھی ایک اسلامی تحریک اٹھی جس کے سربراہ شیخ عثمان بن محمد تھے ۔ اس تحریک نے افریقیوں کو اسلام کی طرف راغب کیا ' غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کیا اور علاقے میں نظام خلافت رائج کر دیا جو خلاف سوکوٹو کے نام سے ۱۸۰۳ء سے ۱۹۰۵ء تک تقریباً ایک صدی قائم رہا ۔ اس نظام نے ملک کو خوشحال اور اسلام کا گہوارہ بنا دیا اور مغربی و وسطی افریقہ پر انمٹ نقوش ثبت کئے ۔ شیخ عثمان کے قائم کردہ نظام کو اس اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس کا تجربہ ہمارے زمانہ سے قریب العہد ہے ۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کو مشعل راہ بنایا گیا اور غیر مہذب انسانوں کی براعظم کے قلب میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی گئی جس کے متعلق ایک انگریز جاسوس کلیپرٹن کے تاثرات یہ تھے کہ اس میں امن و امان کا یہ حال تھا ایک حبشی عورت اگر سونے سے بھرا ہوا ٹوکرا سر پر اٹھائے ہوئے تنہا سفر کرتی تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا ۔ افریقہ کے اس تجربہ میں ان ممالک کے لئے کام کرنے کا ایک نمونہ موجود ہے جو اپنے علاقوں میں اسلام کو رواج دینے کے خواہش مند ہوں ۔

شیخ عثمان بن محمد ' جو اپنی علاقائی زبان میں شیخو عثمان دان فودیو کے نام سے معروف ہیں ' ۱۷۵۴ء میں موجودہ شمالی نائیجیریا کے علاقہ گوبیر کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے ۔ ان کا تعلق فلانی قبیلہ سے تھا ۔ والد ایک عالم دین تھے اور انہوں نے بیٹے کو بھی دین کی تعلیم دلائی ۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ عثمان کو ایک عالم و مبلغ جبریل بن عمر کے زیر تربیت کام کرنے کا موقع ملا جو مشرک طوارق قبائل میں تبلیغ دین کرتے تھے ۔ شیخ نے بھی اسی مشن کو اختیار کر لیا اور ۱۷۷۴ء میں ریاست گوبیر کے ان علاقوں میں دین کی تبلیغ شروع کر دی جو ابھی اسلام کی دعوت سے ناآشنا تھے ۔ ان کے وعظ میں بلا کی کشش تھی ۔ بڑی تعداد میں لوگ ان سے متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا ۔ وعظ کے علاوہ تصانیف کو بھی شیخ نے اشاعت دین کا ذریعہ بنایا ۔ یہ تصانیف عربی کے علاوہ دو علاقائی زبانوں میں بھی تھیں ۔ ان کی مشہور کتابوں کے نام سراج الاخوان ' نجم الاخوان ' تعلیم الاخوان ' تنبیہہ الاخوان ' تمییز اہل السنہ ' تمییز المسلمین من الکافرین کتاب الفرق اور نصیحۃ اہل الزمان ہیں ۔ ان میں انہوں نے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کو واضح کیا ' مسلمانوں کو دین کے تقاضے بتائے اور دین کے بارے میں پائے جانے والے شبہات کو رفع کیا ۔ شیخ کی پیہم جدوجہد کے نتیجے میں علاقے کی کئی ریاستوں میں ان کا اثر و رسوخ پھیلا اور وہ علماء اور عوام دونوں میں یکساں مقبول ہوئے ۔

گوبیر کا سلطان مسلمان تھا لیکن اس کا انداز حکمرانی ظالمانہ تھا ۔ شیخ اس کے جبر و تشدد ' بے انصافی اور عیش و عشرت پر بھی تنقید کرتے جس سے وہ شیخ کے خلاف ہو گیا ۔ ان کی مقبولیت کا خطرہ بھانپتے ہوئے اس نے تبلیغ دین پر پابندی عائد کر دی اور یہ حکم جاری کیا کہ کوئی شخص اپنا آبائی مذہب تبدیل نہیں کر سکتا اور جو لوگ مذہب تبدیل کر چکے ہوں وہ دوبارہ اپنے سابقہ مذہب کو اختیار کریں ۔ اس نے اپنی ریاست میں مردوں کے پگڑی باندھنے اور عورتوں کے نقاب لینے پر پابندی لگا دی کیونکہ یہ شیخ کے معتقدین کی علامت بن چکی تھی ۔ شیخ نے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے دفاع کے لئے ہتھیار حاصل کریں اور ان کے استعمال کی مشق کریں ۔ ۱۸۰۱ء میں سلطان گوبیر نفاتا کا انتقال ہو گیا ۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ینفا گوبیر کا حکمران بنا ۔ اس نے کسی زمانے میں شیخ عثمان سے تعلیم حاصل کی تھی اس لئے ان کو توقع تھی کہ اب حکومت کی پالیسی ان کے لئے مخالفانہ نہیں ہو گی ۔ لیکن ہوا اس کے برعکس یعنی ینفا نے مسلمانوں پر اور زیادہ سختی شروع کی اور شیخ کو اپنے ہاں دعوت دے کر قتل کرنے کی کوشش کی جس سے وہ بچ نکلے ۔ پھر اس نے

شیخ کو علاقہ چھوڑ جانے کا حکم دیا۔ اس صورت حال میں شیخ نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ریاست کی سرحد پر ایک صحرا میں نکل گئے۔ اس سفر میں ان کو خوراک کی کمی کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا لیکن مہاجرین نے مشکلات کا مقابلہ بڑی پامردی سے کیا۔

شیخ کی ہجرت کے دوران ۱۸۰۴ء میں یلفا کی فوج نے مہاجرین پر حملے شروع کر دیئے اس پر شیخ کے ساتھیوں نے ان کو امیر جہاد اور امیر المومنین مقرر کیا تاکہ وہ منظم ہو کر اپنا دفاع کر سکیں۔ مہاجرین کے پاس واحد ہتھیار اپنے علاقہ کی تیر کمان تھی جبکہ حکومت نے گھڑسوار فوج جو بہتر اسلحہ سے لیس تھی بھیج رکھی تھی۔ تاہم تائید غیبی سے شیخ کے ساتھی کامیاب ہوتے رہے۔ شہادت کی خواہش نے مموے کو شہباز سے لڑا دیا اس دوران میں شیخ نے سیاسی اقدامات بھی کئے اور فلانی قبیلہ کا تعاون حاصل کیا۔ اسی طرح دوسرے قبائل میں بھی اپنے نفوذ کو مستحکم کیا۔ اس کا اثر نہایت حوصلہ افزا ہوا اور ۱۸۰۸ء میں شیخ نے گوبیر کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا اب شیخ کے زیر انتظام گوبیر کی ایک شہری ریاست تھی لیکن انہوں نے جلد ہی ان قبائل کے خلاف مہمات شروع کر دیں جنہوں نے ان کے لئے رکاوٹیں کھڑی کی تھیں۔ ان مہمات پر انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ اور بیٹے محمد بیلو کو مقرر کیا جنہوں نے رفتہ رفتہ گرد و پیش کی کئی ریاستوں کو مطیع کر لیا۔ شیخ کی پالیسی یہ تھی کہ صرف ان ریاستوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے جائیں جو بت پرست ہیں یا اسلام کے لئے سد راہ بنی ہوئی ہیں یا لادین ہیں۔ ہوتے ہوتے شیخ کی حکومت پچاس ہزار مربع میل پر محیط ہو گئی۔ اس میں وہ علم اور نظم و ضبط پر مبنی انقلاب لے آئے جس نے ان کی اسلامی ریاست کو مغربی وسطی افریقہ میں اسلام کا مرکز ثقل بنا دیا۔

حکومت کو اسلامی خلافت کے رنگ میں رنگنا شیخ عثمان کا اصل کارنامہ ہے۔ ان کے سامنے اس کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ علماء کی معلومات کتب فقہ تک موجود تھیں۔ صوفیا کا علاقے میں زور تھا۔ شیخ کے ساتھیوں نے بھی ان کو یہی مشورہ دیا کہ وہ غالب فقہی مذہب اور صوفیہ مسلک پر مبنی نظام حکومت رائج کر دیں لیکن شیخ نے قرآن و سنت کے تقاضوں کو نہایت عمدہ پیرائے میں سمجھایا اور ان کی معین کردہ پالیسی بعد کے خلفاء کے لئے بھی مشعل راہ رہی۔

شیخ نے ہر اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اعتقاد رکھتا اور قرآن و سنت کو اپنا رہنما مانتا ہو مسلمان قرار دیا جس کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو اسلام نے اس کو عطا کیے ہیں۔

انہوں نے یہ بات واضح کی کہ اسلامی خلافت کے لئے رہنمائی قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی جائے گی اور کسی خاص فقہ پر انحصار نہیں کیا جائے گا۔ قرآن و سنت کو اختیار کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن فقہی مذاہب انسانی جدوجہد کا نتیجہ ہیں اس لئے ان کو اختیار کرنا امت پر فرض نہیں ہے۔ اسی لئے ان مذاہب کی بنیاد رکھنے والوں نے بھی ان کے نافذ کرنے پر کبھی اصرار نہیں کیا۔

اسلام ایک کامل دین ہے۔ اس کے جو عناصر امت پر لازم تھے ان کو حیات نبوی ﷺ ہی میں کامل کر دیا گیا تھا۔ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد کا طریقہ تجویز کیا گیا۔ تمام فقہی مذاہب اصلاً اجتہاد پر مبنی ہیں۔ چونکہ امت مسلمہ نے ان تمام مذاہب کو شریعت کے اندر قرار دیا ہے اس لئے یہ سب کے سب امت کا ایک قیمتی ورثہ ہیں۔ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ ان سب سے فائدہ اٹھائے اور ان میں سے کسی ایک مکتب فکر کے ساتھ جامد نسبت قائم کر کے اپنے اوپر شریعت کی وسعت کو تنگ نہ کرے، ایسا اقدام امت میں تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ صحیح طرز عمل یہ ہوگا کہ تمام مکاتب فکر سے یکساں استفادہ کیا جائے اور شریعت اور فقہ میں فرق کر کے زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے احکام اخذ کئے جائیں۔ شیخ نے علماء کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے علم کو وسعت دیں اور اسلام کے اس تقاضا کو سمجھیں کہ یہ ایک عقلی دین ہے۔ آنکھیں بند کر کے اسلام پر چلنے والا شریعت کی واضح ہدایات کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔ علماء کو بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے تمام مسائل کا حل دریافت کرنا چاہئے۔ اس کے لئے وہ تمام فقہی مذاہب کو مدنظر رکھیں کیونکہ یہ سب مذاہب امت کا یکساں محترم ورثہ ہیں۔

شیخ نے واضح کیا کہ احکام شریعت کے مقابلہ میں جو حیثیت فقہی مذاہب کی ہے ٹھیک وہی حیثیت کتاب و سنت کی ہدایات کے مقابلہ میں صوفیانہ مسالک یا کلامی مذاہب کی ہے۔ تصوف تزکیہ نفس کے دائرے میں ایک اجتہاد ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ لہذا آدمی کی فلاح و نجات تصوف کے اختیار کرنے پر منحصر نہیں ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ان سیدھے سادے عقائد پر ایمان لانا کافی ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھ میں آتے ہیں۔ ان کے بارے میں گہری فلسفیانہ رائیں اجتہاد کی نوعیت کی ہیں جن کو اختیار کرنا ضروری نہیں۔ نظام خلافت صرف قرآن و سنت کو رہنما بنا سکتا ہے۔ اگر وہ فقہی و صوفیانہ مسالک کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر لے تو معاشرہ میں اختلاف پیدا کرنے کا باعث ہوگا جس سے امت کی وحدت کو نقصان پہنچے گا۔

شیخ نے اپنے عقیدت مندوں کے اندر سیاسی شعور بیدار کیا اور ان کو تلقین کی کہ وہ ہمیشہ افراد کے نہیں بلکہ نظام خلافت کے وفادار رہیں ۔ ریاست کے تمام کاموں اور حکومت کی پالیسیوں میں قرآن و سنت کو اولین ترجیح ہونی چاہئے ۔ عدل و اخوت کا ایسا مظاہرہ ہونا چاہئے جس میں نظام خلافت امت مسلمہ کو متحد رکھ سکے اور ہر شخص اس میں تحفظ پائے ۔

شیخ نے مشاورت کے لئے اہل الاختیار کی ایک مجلس قائم کی جو علماء ' سرداروں اور فوجی کمانڈروں پر مشتمل تھی ۔ انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے امیر المصالح کا ایک عہدہ قائم کیا ۔ ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کی امارت اپنے بھائی عبداللہ کے اور دوسرے کی امارت اپنے بیٹے محمد بیلو کے سپرد کی ۔ یہ دونوں عالم دین اور صاحب تصنیف تھے شیخ خود خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم دین میں بھی مصروف رہے ۔ وہ اپنی معاشی ضروریات کے لئے رسی بٹنے کا کام کرتے تھے جو تعلیم و تبلیغ کے دوران بھی جاری رہتا ۔ ان کی وفات ۱۸۱۷ء میں ہوئی ۔

شیخ کی وفات پر اہل الاختیار نے محمد بیلو کو خلیفہ منتخب کیا ۔ ان کے عہدہ سنبھالتے ہی ہر طرف بغاوتیں شروع ہو گئیں ۔ محمد بیلو نے پہلے تو اخلاقی اپیل سے لوگوں کو متحد رکھنا چاہا لیکن جب یہ اپیل کارگر ثابت نہ ہوئی تو انہوں نے طاقت استعمال کر کے قلیل مدت میں تمام مخالفین کو زیر کر لیا ۔ محمد بیلو کا دور خلافت ۱۸۳۷ء تک رہا ۔ بیس سال کی مدت میں انہوں نے نہ صرف نظام خلافت کو مستحکم کیا بلکہ ریاست کی حدود کو وسعت دے کر اس کا رقبہ تین گنا کر دیا ۔

محمد بیلو کے دور خلافت میں علماء نے پھر فقہی مذاہب کی پیروی پر زور دیا اور خلیفہ کے بعض فیصلوں اور پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جو ان کے خیال میں شریعت کے مطابق نہ تھیں ۔ اس پر خلیفہ نے اپنی تصانیف میں ان پالیسیوں کا دفاع کیا اور علماء پر واضح کیا کہ وہ خود دین کی تعلیم رکھتے ہیں ' فقہی مذاہب سے آگاہ ہیں لیکن خلیفہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھتے ہیں ۔ ریاست کی پالیسیاں بناتے وقت امام کو فقہ کی کتابوں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ شریعت کے مقاصد کو حاصل کرنا ہوتا ہے ۔ قانون کا مقصد عوام کو جکڑ کر رکھ دینا نہیں بلکہ ان کی مشکلات کو دور کرنا اور زندگی کو آسان بنانا ہوتا ہے ۔ شریعت میں حلال اور حرام متعین طور پر معلوم ہیں لیکن باقی چیزیں متعین طور پر نہ حلال ہیں نہ حرام ۔ افراد ' زمانہ ' مقام اور مقاصد کے لحاظ سے ان کے معاملہ میں مختلف آراء قائم کی جا سکتی ہیں ۔ احوال بدل جانے سے ان کے لئے فتوی بھی بدلا جا سکتا ہے ۔ خلیفہ کی ذمہ داری

ہوتی ہے کہ وہ ایسے معاملات میں حقائق اور مصالح کو پیش نظر رکھ کر قدم اٹھائے ۔ اس بحث میں خلیفہ نے حسب ذیل اصول قائم کیے جو مصلحتِ دین کے نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتے ہیں ۔

۱ ۔ کسی اقدام کی صلاحیت پر رائے زنی کے لئے ضروری ہے کہ حاکم کی نیت کو سمجھا جائے ۔ خلیفہ نے اپنے عاملین کو حکم دیا تھا کہ وہ اچھا لباس زیب تن کریں ۔ علماء نے اس ہدایت کو زہد کے منافی قرار دیا ۔ خلیفہ نے اس کی مصلحت کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ خوش لباسی کا مقصد اگر تفاخر یا خود نمائی ہو تو وہ بلاشبہ جائز نہیں لیکن تقریبات میں مثلاً عید کے موقع پر نئے کپڑے پہننا خود سنت کی رو سے ایک پسندیدہ کام ہے ۔ حکومت کی ہدایت میں یہ مصلحت ملحوظ ہے کہ حکام کو مختلف وفود کے ساتھ ملاقات کرنی پڑتی ہے ۔ خود دینی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ حکام خوش لباس ہوں ۔

۲ ۔ عامتہ الناس کے لئے شریعت آسانی مہیا کرنے کی ہدایت دیتی ہے ۔ جو کام صحابہ کرام کی نگاہوں میں بے حقیقت تھے بعد کے ادوار میں ان پر عمل کرنا بھی اہل دین داری قرار پایا ۔ خود قرآن نے بعض احکام میں حالات بدلنے پر تخفیف فرمائی ۔ لہذا موجودہ زمانہ میں دین کے ساتھ وابستگی کے رجحان کا لحاظ رکھ کر ہی حکومت کی پالیسیاں وضع کرنا دانش مندی ہو گی ۔ ان لوگوں کے سامنے وہی معیار سامنے رکھنا زیادتی ہے جو دور اول کے مسلمانوں کے سامنے تھا ۔

۳ ۔ مجبوری کی تمام صورتوں میں شریعت نے رخصت دی ہے ۔ مثال کے طور پر انگور کی کاشت پر اس خدشہ کی بنا پر قدغن نہیں لگائی جا سکتی کہ کچھ لوگ اس سے شراب کشید کر لیں گے ۔ اسی طرح ایک تاجر بازار میں بیٹھنے سے اس بنا پر نہیں رک سکتا کہ اس کی نظر وہاں سے بے حجابانہ گزرنے والی نامحرم عورتوں پر پڑے گی ۔

۴ ۔ غیر مسلم اقوام کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے منافی نہ ہوں ۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب میں کفار کے حملہ کو روکنے کے لئے اہل فارس کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ کے گرد خندق کھدوائی ۔

۵ ۔ حکومت کو اپنی پالیسیاں وضع کرنے میں عرف اور رواج کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ عرف سے مراد کسی قوم کا وہ تاریخی اور ثقافتی تجربہ ہے جس سے ان کا ذوق ' جبلت ' صفات و خصوصیات عبارت ہوتی ہیں اور جس کے باعث وہ دوسری قوموں سے مختلف نظر آتی ہے ۔ چونکہ معاشرہ تغیر پذیر ہوتا ہے اس لئے عرف بھی تغیر پذیر ہے ۔ اس سلسلہ میں خلیفہ نے ایک حکمنامہ بھی جاری کیا جس کی رُو سے فیصلوں میں موجودہ معاشرتی حقائق کا لحاظ رکھا جائے ۔ علماء و قضاۃ

ان قانونی نظریات پر انحصار کرنے میں احتیاط کریں جو بالکل مختلف معاشرتی صورت حال میں قائم کئے گئے تھے ۔ کتابوں کے متن کے ساتھ جامد وابستگی پر اصرار دین کی غلط تعبیر اور سلف کے طریقہ سے ناواقفیت ہے ۔

ب ۔ مملکت کے ہر علاقہ کے احوال کے لحاظ سے قانونی نظام قائم کیا جائے ۔

ج ۔ عرف پر مبنی قوانین اور ضابطے اس وقت بدل دیئے جائیں جب عرف تبدیل ہو جائے ۔

۲ ۔ شریعت کے نفاذ میں سیاست اور حکمت عملی کو ملحوظ رکھا جائے ۔ ناروا سختی سے لوگ نظام خلافت کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے ۔ لوک ناچ اور لوک گانے حبشیوں کی ثقافت کا حصہ تھے ۔ بعض علماء نے ان پر پابندی لگانے کی تجویز پیش کی لیکن خلیفہ نے اس کو مصلحت دین کے نقطہ نظر سے درست نہیں سمجھا ۔ انہوں نے دین کی تعلیم کو اصلاح کا ذریعہ بنایا ۔ اسی طرح خلیفہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ باؤچی علاقہ فتح ہو چکا لیکن وہاں آبادی غیر مسلم اکثریت پر مشتمل ہے ۔ مسلمان اقلیت میں ہونے کے باعث مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں ۔ علاقہ پہاڑی ہے جہاں رسل و رسائل ' انتظام اور سیاسی تسلط کی راہ میں بڑی رکاوٹیں حائل ہیں ۔ مسلمان اپنے علاقہ سے نکلنے پر بھی آمادہ نہیں ۔ خلیفہ نے علاقہ کے امیر کو لکھا کہ حکمران اپنی رعایا کا اسی طرح محافظ ہوتا ہے جس طرح چرواہا اپنے گلے کا ' لہذا مسلمان اقلیت کو تحفظ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ۔ یا تو مسلمانوں کو یکجا کر کے ان کی اکثریت کے علاقے بنائے جائیں یا باہر سے مسلمانوں کو مراعات دے کر باؤچی علاقہ میں آباد کیا جائے ۔ اس ہدایت کی روشنی میں مقامی امیر نے آباد کاری کی اسکیمیں نافذ کیں ' زراعت کی بہتری کی تدبیریں اختیار کیں اور نئے شہر آباد کر کے ان میں مسلمانوں کو آباد کیا ۔ اس کے نتیجہ میں علاقہ کی مسلمان اقلیت پر منڈلانے والے خطرات بھی ٹل گئے اور جا بجا مسلمانوں کے مراکز بھی قائم ہو گئے جو دین کی اشاعت کا بھی ذریعہ بنے ۔

محمد بیلو نے اصول جہانبانی اور آداب حکمرانی پر کئی کتابیں تصنیف کیں جن سے ان کے حکام نے رہنمائی حاصل کی اور جو بعد کے خلفاء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں ۔ ان کتابوں میں زیادہ شہرت ضیاء الامام ' ضیاء الحکام ' ضیاء الاحتساب اور اصول السیاسۃ کو حاصل ہوئی ۔ ان میں خلیفہ نے ان ہدایات دین جو ہر زمانہ میں ایک اسلامی حکومت کے لئے رہنمائی دے سکتی ہیں ۔ مثلاً

امام اس شخص کو بنایا جائے جو معاشرے کا بہترین شخص ہو ' عالم دین ہو ' بلند کردار کا حامل ہو ' بلند ہمت اور پر عزم ہو ' سیاست کے تقاضوں کو سمجھتا ہو ' قرآن و سنت کو رہنما بناتا ہو اور خود عہدہ کا طالب نہ ہو ۔

جب کسی شخص کو امارت سونپ دی جائے تو اسے چاہئے کہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں اخلاص سے کام لے ' تقوی کی روش اختیار کرے ' اللہ کے ساتھ شعوری تعلق قائم رکھے ' عوام کے لئے نرم خو ہو اور پالیسیوں کو نرم رکھے ' دوسرے لوگوں کے لئے مثالی نمونہ ہو ۔

امام افسروں کے انتخاب میں اپنے مفادات کو ملحوظ نہ رکھے بلکہ ان میں خدا خوفی اور عہدہ کے لئے موزونیت کو اہمیت دے ۔ عہدہ کے طالب کو عہدہ پر فائز نہ کیا جائے ۔ ہر عہدہ کے فرائض اور ہر افسر کے اختیارات متعین ہونے چاہئیں تاکہ ذمہ داری کا تعین کیا جا سکے ۔ عہدہ قبول کرتے اور اس کو چھوڑتے وقت ہر افسر اپنی جائیداد اور اپنے مفادات کا اعلان کرے ۔ اگر عہدہ کی مدت کے دوران اس کی جائیداد ناروا طور پر بڑھ گئی ہو تو اس کو ضبط کر لیا جائے ۔ تمام عہدے ملک کے مختلف طبقات میں انصاف سے تقسیم کئے جائیں تاکہ کسی طبقہ یا علاقہ میں احساس محرومی نہ پیدا ہو ۔

امام کا معیار زندگی عام آدمی کا سا ہو ۔ اگر اس کے پاس اپنے وسائل رزق موجود ہوں تو وہ خزانہ سے تنخواہ نہ لے ۔ وہ تحائف نہ قبول کرے ۔ اپنی پالیسیوں کے فوائد شہروں تک محدود نہ رکھے بلکہ ان کو دیہات تک پہنچائے ۔ وہ خود اسلام کے فرائض پر عمل کرے اور نماز ' روزہ ' زکواۃ اور حج پر لوگوں کے عمل کو یقینی بنائے ' وہ ملک کے تمام لوگوں کے لئے ایک کم از کم نصاب پر مبنی اسلام کی تعلیم ضروری قرار دے تاکہ لوگ اسلامی اخلاق سے واقف ہو سکیں ۔ وہ ان کو اس قابل بنانے کی منصوبہ بندی کرے کہ اپنی روزی خود کمانے کے اہل ہو سکیں ۔ امام حدود کے نفاذ کو یقینی بنائے ۔ قانون کے نفاذ میں کسی کے ساتھ رو رعایت سے کام نہ لے ۔ قاضی کے فیصلہ میں مداخلت نہ کرے اللہ کے قانون کو بدلنے کی جسارت نہ کرے اور یاد رکھے کہ عدل و انصاف کے بغیر ریاست اپنے وجود کا جواز کھو بیٹھتی ہے ۔

خلیفہ نے حکومت کے لئے تین ستون بتائے ۔ دیانت دار وزیر ' آزاد عدلیہ اور والی المظالم یا محتسب ۔ محتسب کے دائرہ اختیار میں حکومت کی پالیسیوں پر نظر رکھنا بھی تھا کہ وہ ظالمانہ نہ ہوں ۔ انہوں نے بیرونی حملوں سے بچاؤ کے لئے سرحدی چوکیاں (رباط) قائم کیں ۔ ملک بھر میں مدرسوں کا جال بچھا دیا اور ہر شہر اور علاقہ میں امام ' قاضی، محتسب اور معلم دین کے عہدوں پر قابل افراد تعینات

کئے ۔ اس نظام نے ملک کو لیڈر شپ مہیا کرنے میں بڑی مدد دی جس کی بدولت ریاست سوکوتو میں امن و خوش حالی کا دور دورہ رہا اور خلافت ایک صدی تک چلتی رہی ۔

۱۸۳۷ء میں محمد بیلو کے انتقال کے بعد ان کا بھائی ابوبکر عتیق اور اس کے بعد ان کا بیٹا علی بن بیلو خلیفہ بنے ۔ علی بن بیلو کے دور حکومت میں انگریز تاجروں کے روپ میں سوکوتو میں آئے اور ہندوستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے طرز پر رائل نائجر کمپنی قائم کی ۔ ان کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں شمالی افریقہ کے ممالک کی طرح ۱۹۰۳ء میں سوکوتو پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا ۔ تاہم اس خلافت کی بدولت آج بھی نائجیریا ایک اسلامی ریاست ہے جس کے شمالی حصہ میں مسلمان بھاری اکثریت میں ہیں۔

تالیفات امام حمیدالدین فراہیؒ

	روپے پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	۰۰-۰۰
۲۔ اقسام القرآن	۸-۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۸-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

۱۔ تدبر قرآن : (مکمل سیٹ : ۹ جلد)	۱۳۹۵-۰۰
: فی جلد	۱۵۵-۰۰
۲۔ مبادئ تدبر قرآن	۳۶-۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	۰۰-۰۰
۴۔ اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۱۶-۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۴-۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸-۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱-۰۰
۹۔ تزکیہ نفس : جلد اول	۵۰-۰۰
: جلد دوم	۳۶-۰۰
۱۰۔ مبادئ تدبر حدیث	۳۶-۰۰
۱۱۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	۴۸-۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۴۸-۰۰
۱۳۔ حقیقت شرک و توحید	۵۶-۰۰
۱۴۔ حقیقت نماز	۲۴-۰۰
۱۵۔ حقیقت تقویٰ	۲۴-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور ۔ ۵۴۶۰۰ ۔ پاکستان ۔ فون : ۷۷۴۳۴۷۷